سید احمد بریلوی اور ان کی تحریک اصلاح وجہاد کے تین وقائع نگار سید ابو الحسن علی ندوی، مسعود عالم ندوی، غلام رسول مہر

محمد ارشد۵

ابتدائیہ

اس مقالے میں سید احمد بریلوی (۶؍صفر ۱۲۰۱ھ-۲۴؍ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ /۲۹؍ نومبر ۱۷۸۶ء-۶؍مئی ۱۸۳۱ء) کی سوانح اور ان کی تحریک اصلاح وجہاد کے احوال وو قائع کی تدوین و تحقیق کے سلسلے میں برعظیم پاکستان وہند کے تین ممتاز وقائع نگاروں مولانا غلام رسول مہر (۱۸؍اپریل ۱۸۹۵ء- ۱۶؍نومبر ۱۹۷۱ء) اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴؍ربیع الاول ۱۳۷۳ھ / ۲۲؍نومبر ۱۹۵۳ء) کے دو نامور شاگردوں: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۱۹۱۴ء- ۳۱ ؍دسمبر ۱۹۹۹ء) اور مولانا مسعود عالم ندوی (۱۱؍ فروری ۱۹۱۰ء- ۱۶؍مارچ ۱۹۵۴ء) کے مابین تعاون واشتراک علمی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بیسویں صدی کے چوتھے عشرے (۱۹۳۴ء- ۱۹۳۵ء) میں مولانا غلام رسول مہر اور سید سلیمان ندوی کے مذکورہ دونوں شاگردوں نے سید احمد شہید اور ان کی تحریک اصلاح وجہاد کے احوال ووقائع کو موضوعِ تحقیق و تصنیف بنانے کا عزم کیا۔ اول الذکر (مولانا غلام رسول مہر) نے ضروری مواد و معلومات کے حصول کے لیے اولاً علامہ سید سلیمان ندوی اور بعد ازآں ان کے مشورے سے ان کے ان دونوں شاگردوں سے، جو اس موضوع سے خاص شغف رکھتے تھے اور اس سے متعلق مواد و معلومات کا کثیر ذخیرہ فراہم کیے ہوئے تھے، مراسلت کا آغاز کیا۔ سید احمد شہید اور ان کی تحریکِ اصلاح و جہاد کے ان تینوں وقائع نگاروں کے مابین ایک ہی موضوع تحقیق سے متعلق ضروری مواد و معلومات کے حصول وتبادلے کی غرض سے یہ مراسلت اپنے نتائج و ثمرات کے اعتبار سے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ تینوں وقائع نگاروں میں سے ہر ایک نے اپنے ہاں دست یاب مآخذ و مواد کی دوسرے کو فراہمی اور معلومات کے تبادلے میں وسعت قلبی اور ایثار سے کام لیا، ہر ایک کے پاس جو کچھ مآخذ وذرائع معلومات تھے، اس

---

۵ چیف ایڈیٹر / پروفیسر، شعبۂ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، علامہ اقبال کیمپس، لاہور۔
(arshad571@yahoo.com)

نے انھیں دوسروں کی خدمت میں پیش کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا، ہر ایک نے اپنی علمی تحقیقات وجست جو کے نتائج سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ مزید برآں ایک دوسرے کے تحقیقی کام پر اپنے مخلصانہ اور بے لاگ اور رائے سے آگاہ کیا۔ تینوں وقائع نگاروں نے باہم دگر ایک دوسرے کے نتائجِ تحقیق سے اپنے اپنے تصنیفی کام میں بھرپور استفادہ کیا۔ اس مخلصانہ تعاون علمی کے نتیجے میں سید احمد شہید کی سوانح اور ان کی تحریک سے متعلق بہت سے خفیہ گوشے منقح ہو کر منظر عام پر آئے، بہت سے واقعات سے متعلق گم شدہ کڑیوں کا سراغ ملا۔ مولانا غلام رسول مہر اور دونوں ندوی فضلا (سید ابوالحسن علی ندوی و مسعود عالم ندوی) کے مابین ایک خاص موضوعِ تحقیق وتصنیف سے متعلق مراسلت اور مواد ومعلومات کا باہمی تبادلہ دراصل اہل علم وفضل کے مابین مخلصانہ تعاونِ علمی کی ایک عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔

آئندہ سطور میں سب سے پہلے سید احمد شہید کی سوانح اور ان کی تحریک کے احوال ووقائع کی تدوین و تحقیق میں مذکورہ تینوں فضلا کی دل چسپی کے محرکات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ بعد ازاں اس میدان میں ان تینوں کی سعی وکاوش نیز ان کے مابین تعاون کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(۱)

برعظیم پاکستان و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے چند سال بعد سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی (۲۶/ اپریل ۱۷۷۹ء–۶/ مئی ۱۸۳۱ء) کی تحریک اصلاح وجہاد برطانوی حکام اور بعض مسلمان مصنفین کی تحقیق وتصنیف کا خصوصی موضوع بنی۔ برطانوی حکومت کی ہدایت پر متعدد انگریز حکام نے مجاہدین کی سرگرمیوں، جن کا دائرہ شمالی ہند سے مدراس اور بمبئی تک پہنچ چکا تھا، سے متعلق رپورٹیں مرتب کیں۔ ان انگریز حکام نے، جن میں سے سر ولیم ہنٹر (W. W. Hunter)، جیمز اوکینیلی (James O'Kinealy)، پٹنہ کے مجسٹریٹ ٹی ای راونشا (T. E. Ravenshaw) اور میجر جنرل سڈنی کاٹن (Sydney Cotton) وغیرہ بہ طورِ خاص قابل ذکر ہیں، اپنی تحریروں اور رپورٹوں میں تحریک مجاہدین کے اغراض ومقاصد اور عامۃ الناس پر اس کے اثرات کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے اس کی طرف سے برطانوی اقتدار کو لاحق خطرات کی نشان دہی کی۔ مزید برآں اس تحریک کو محمد بن عبد الوہاب النجدی (۱۷۰۳ء–۱۷۹۲ء) کی اصلاحی وتجدیدی تحریک کا شاخسانہ قرار دیتے ہوئے اسے ''وہابیت'' سے متہم کیا اور سب سے اہم یہ کہ اس مزعومہ خطرے کے انسداد کی غرض سے حکومت کو

جماعتِ مجاہدین کی سرکوبی کا مشورہ دیا۔[۱] سر سید احمد خان نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کے خلاف برطانوی حکام کے غیظ و غضب اور جوشِ انتقام کو سرد کرنے کی غرض سے (مسلمانوں کی طرف سے وکیل صفائی کے طور پر) رسالہ **اسباب بغاوت ہند** قلم بند کر کے شائع کیا تو اس میں مسلمانوں پر سے انگریزی اقتدار کے خلاف مزاحمت و جہاد کے الزام کو دھونے کے لیے سید احمد شہید کی تحریک کا ہدف محض سکھوں کو، جنھوں نے اپنے زیر اقتدار علاقوں میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب کر رکھی تھی، قرار دیا۔[۲] مزید برآں انھیں ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب کا رد بھی لکھ کر شائع کرنا پڑا جس میں تحریک مجاہدین کے اہداف و مقاصد کے بارے میں اپنے اسی رائے کا اعادہ کیا۔[۳] بنگال میں جماعت مجاہدین کے ایک سر آوردہ رکن مولوی محمد جعفر تھانیسری (۱۸۳۸ء–

۱– مذکورہ حکام انگریز مصنفین اور مؤرخین) میں ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر (W.W.Hunter)، ٹی ای راونشا (T.E. Ravenshaw)، سڈنی کاٹن (Sydniy Cotton)، جیمز او کینلی (James O'Kinealy) وغیرہ نے تحریک جہاد و مجاہدین پر تفصیلی و تحقیقی کتابیں اور مقالات لکھے تا کہ حکومت ان کے عزائم و اہداف اور سرگرمیوں سے کماحقہ آگاہ ہو سکے؛ تفصیل کے لیے دیکھیے:

W. W. Hunter, "The India Conspiracy of 1864, *Calcutta Review"*, No. LXXIX (40:79) (July 1864), 137-124; ----,The Indian Musalmans 3rd edn. (London: Trubner & Company, 1876), esp. chaps. 2 and 3; T. E. Ravenshaw, Historical Memorandum on the Sect of Wahabees, 1864: *Selections from the Records of the Bengal Government, no. 42- Papers Connected with Trial of Moulvie Ahmedoolah of Patna and others for the Conspiracy and Treason* (Calcutta: Alipore Press, 1866);Sydney Cotton, William Rose Mansfield, *Nine Years on the North-West Frontier of India 1863-1854* (London: Richard Benteley, 1868) ;J. O' Kinealy, "Wahhabis in India", *Calcutta Review*, 50:100 (April 1870), 104-73; 51:101(July 1870), 192-177; 51:102 (Oct. 1870), 399-381; Syed Ahmad Khan, *Review on Dr. Hunter's Indian Musalmans* (Lahore: The Premier Books, n.d.); M. Mohar Ali, *"Hunter's 'Indian Musalmans': A Re-examination of Its Background", Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland,* New Series, no. 1(1980): .51-30

۲– سر سید احمد خان، **اسبابِ بغاوتِ ہند**، مرتبہ: ابو اللیث صدیقی (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۶ء)، "مقدمہ"، ۲۷–۴۳، نیز ۱۰۵۔

3- S.A. Khan, *Review on Dr. Hunter's Indian Musalmans: Are They Bound in Conscience to Rebel Against the Queen* (Benares: Medical Hall Press, 1872), 10–12. Sir Syed Ahmad Khan, "Review on Hunter's "Indian Musalmans" ", in Shan Mohammed (ed.), Writings and Speeches of Sir Syed Ahmad Khan (Bombay: Nachiketa Publications Ltd, 1972), .82-65.

۱۹۰۵ء)، جو جماعتِ مجاہدین کی نصرت و اعانت کے الزام میں ماخوذ ہوئے اور جنھیں مقدمہ انبالہ ۱۸۶۴ء میں سزائے موت اور پھر حبسِ دوام بہ عبور دریا کی سزا سنائی گئی[۴] جزائر انڈمان (کالا پانی) میں برسوں قید (۱۸۶۶ء-۱۸۸۵ء) کے بعد رہا ہوئے تو جزائر انڈمان میں اپنے حبس کی سرگزشت **تواریخ عجیب یا کالا پانی** کے نام سے لکھی (۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء) جو پہلی بار ۱۸۸۴ء دہلی سے شائع ہوئی (۱۸۸۴ء)۔ اس کے علاوہ **سوانح احمدی** (تاریخی نام **تواریخ عجیبہ**) کے نام سے ایک کتاب میں سید احمد بریلوی کی سوانح اور وقائع تصنیف کیے (۱۸۹۱ء)۔[۵] سید احمد اور ان کے اکابر رفقا و خلفا کے احوال و وقائع پر مشتمل سب سے پہلی کتاب جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔[۶] تب حالات و مصلحت کا تقاضا یہی ہوا کہ سید احمد کی تحریک کا ہدف انگریزی اقتدار کے بجائے سکھوں کو قرار دیا جائے۔ اس کتاب نے سید صاحب کے متعلق اس غلط فہمی کو عام کیا کہ جہاد کی تحریک از اول تا آخر سکھوں کے خلاف تھی، انگریزوں سے اسے کوئی پرخاش یا دشمنی نہ تھی۔ سید صاحب انگریزوں سے نہیں لڑنا چاہتے تھے، صرف سکھوں سے لڑائی پر آمادہ ہوئے تھے۔[۷] اس غلط بیانی کو مستند بنانے کے لیے سید صاحب کے مکاتیب کی عبارتوں میں

۴- مولانا محمد جعفر تھانیسری نے جماعت مجاہدین سے اپنے ربط و ضبط اور انگریز حکام کی طرف سے دار و گیر نیز جلاوطنی اور جزائر انڈمان میں اپنی اسارت کی سرگزشت اپنی خود نوشت سوانح میں بیان کی ہے۔ دیکھیے: مولوی محمد جعفر تھانیسری، **تواریخ عجیب یعنی کالا پانی**، مرتبہ، محمد ایوب قادری (کراچی: سلمان اکیڈمی، ۱۹۶۲ء)۔

۵- مولانا جعفر تھانیسری کے احوال و آثار کے بارے میں ملاحظہ ہو: محمد ایوب قادری "مقدمہ"، در محمد جعفر تھانیسری، **تواریخ عجیب یعنی کالا پانی** (کراچی: سلمان اکیڈمی، ۱۹۶۲ء)، ۲۱-۵۴؛ وہی مصنف، **"تعارف: مولوی محمد جعفر تھانیسری مصنف حیات سید احمد شہید و مرتب مکتوباتِ سید احمد شہید"**، در محمد جعفر تھانیسری، **حیاتِ سید احمد شہید** (کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۶۸ء)، ۳۰-۴۶؛ نثار احمد فاروقی، "مولوی محمد جعفر تھانیسری: ایک مختصر تعارف"، سہ ماہی **احوال و آثار** (کاندھلہ)، ۱: ۳ (۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵ء)، ۸۰-۸۷۔

۶- اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۸۹۵ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا۔ اس کے بعد صوفی کمپنی منڈی بہاء الدین (ضلع گجرات)، سے دوبار شائع ہوئی۔ یہی کتاب محمد ایوب قادری کے مقدمے اور مصنف کے مفصل تعارف کے ساتھ **حیات سید احمد شہید** کے نام سے نفیس اکیڈیمی کراچی نے شائع کی (۱۹۶۸ء)۔

۷- محمد جعفر تھانیسری، **تواریخ عجیبہ الموسوم بہ سوانح احمدی** (منڈی بہاء الدین، ضلع گجرات: دفتر رسالہ صوفی، س-ن-)، ۲۴-۲۵، ۶۹-۷۱، ۹۶-۱۰۳؛ محمد جعفر تھانیسری، **حیاتِ سید احمد شہید** (کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۶۸ء)، ۱۶۸-۱۷۱، ۲۵۷-۲۶۱۔ نقد و نظر کے لیے دیکھیے: محمد ایوب قادری، **"تعارف: مولوی محمد جعفر تھانیسری مصنف حیات سید احمد شہید و مرتب مکتوباتِ سید احمد شہید"**، در محمد جعفر تھانیسری، **حیاتِ سید احمد شہید** (کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۶۸ء)، ۴۴-۴۵؛ وہی مصنف، "مقدمہ"، در مولوی محمد جعفر تھانیسری، **تواریخ عجیب یعنی کالا پانی**، ۵۱۔

تحریف کی گئی۔[۸] نواب سید صدیق حسن خان قنوجی (۱۲۴۸ھ–۱۳۰۷ھ / ۱۸۳۲ء–۱۸۹۰ء) جن کے والد سید اولاد حسن قنوجی سید احمد کے خاص ارادت مند تھے، ہندوستان میں وہابیت اور تبلیغ جہاد کی بنا پر انگریزوں کے معتوب ہو گئے تھے[۹] انھوں نے بعض سیاسی و ذاتی مصالح کے پیش نظر خود کو وہابیت اور تبلیغ جہاد کے الزام سے کاملاً بری ثابت کرنا چاہا، اس غرض سے **ترجمان وہابیہ** تصنیف کی اور جہاد کی ایسی کڑی شرائط و قیود بیان کیں کہ جن کی موجودگی میں ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے خلاف جہاد کی حرمت لازم آتی ہو۔[۱۰] نواب صاحب نے اپنی ایک دوسری تالیف **تقصار جیود الاحرار من تذکارِ جنود الابرار** میں سید صاحب کے حالات مستقل عنوان کے ماتحت لکھے، جس میں جہاد کی شروط و قیود بیان کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی کہ چوں کہ ملک ہندوستان میں شرائطِ جہاد مفقود تھیں، بنابر ایں سید احمد نے ہندوستان میں جہاد نہ کیا اور حکومت برطانیہ کے خلاف محاذ قائم نہ کیا بلکہ باہر جا کر سکھوں اور افغانوں کے خلاف لڑے۔[۱۱] ان تحریروں میں نواب سید صدیق حسن خان کی رائے یہی ٹھہری کہ تحریک کا ہدف انگریزی حکومت نہیں بلکہ سکھ تھے۔ کیوں کہ سکھوں کے مظالم نے جو وہ مسلمان رعایا پر کر رہے تھے، ہندوستان کے مسلمانوں میں عام بے چینی پھیلا دی تھی۔ مولانا سید احمد اور ان کے رفقا نے سکھوں کے جور و ستم سے مسلمانوں کو نجات دلانے کی غرض سے جہاد کیا تھا، اس جہاد کی گورنمنٹ کو اطلاع تھی، اور وہ اس کو گورنمنٹ کے مقاصد کے خلاف نہیں جانتی تھی، بلکہ اس کی ہر طرح مؤید تھی، اس لیے اس نے حکام کو اس معاملے میں دست

۸۔ مہر، **سید احمد شہید** (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ۲۷؛ مولوی محمد جعفر تھانیسری نے سید احمد شہید کے مکاتیب مرتب کیے تو اس میں بھی تدلیس سے کام لیا۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری نے سید احمد بریلوی کے مکاتیب بھی مرتب کیے۔ البتہ ان مکاتیب میں جہاں کہیں غایت جہاد کے بیان کے ضمن میں نصاریٰ (انگریزوں) کا ذکر آیا وہاں متن میں تحریف کر کے اسے لفظ ''سکھوں'' سے بدل دیا۔ دیکھیے: مولانا محمد جعفر تھانیسری (مرتب)، **مکتوباتِ سید احمد شہید اور کالا پانی** (اردو ترجمہ مع فارسی متن)، ترجمہ: سخاوت مرزا (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۹ء)، مکتوب ۱۴، ۷۷–۸۵۔ مولوی جعفر تھانیسری کے مرتبہ اس مجموعۂ مکاتیب میں تدلیس کا کھوج مکاتیبِ سید احمد شہید کے خطی نسخے کے عکسی ایڈیشن سے موازنہ کر کے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے، جو سید احمد شہید اکادمی کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ بطورِ مثال دیکھیے: **مکاتیبِ سید احمد شہید** (لاہور: مکتبۂ سید احمد شہید، ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء)، ورق ۲۴ الف تا ۲۹ الف۔

۹۔ علی حسن خان، **مآثرِ صدیقی** (لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء)، حصۂ سوم، ۱۱۵۔۱۴۳۔

۱۰۔ نواب صدیق حسن خان، **ترجمان وہابیہ** (لاہور: مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ)، ۴۳۔۶۰۔

۱۱۔ دیکھیے: نواب صدیق حسن خان بہ حوالہ مہر، **سید احمد شہید**، ۲۸۔

اندازی کرنے سے سختی کے ساتھ باز رکھا[۱۲] مرزا حیرت دہلوی (م ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ / ۴ مئی ۱۹۲۸ء) کی **حیات طیبہ** [۱۳] بھی، جو اصلاً مولانا شاہ اسماعیل کی سوانح ہے اور جس میں ضمنی طور پر سید احمد کا تذکرہ بھی آ گیا ہے، کچھ اسی رنگ میں لکھی گئی تھی۔ مصنف نے **حیات طیبہ** میں شاہ اسمٰعیل اور سید احمد کی تحریک کو ایک اصلاحی تحریک قرار دیا جس کا اصلی بدعات و مشرکانہ رسوم کا انسداد اور نورِ توحید و سنت کی اشاعت اور اصلاح معاشرت تھا۔ قائد تحریک شاہ اسمٰعیل کو سکھوں کے خلاف علم جہاد از راہ انتقام بلند کرنا پڑا کہ انھوں نے اپنے زیر اقتدار علاقوں (پنجاب تا حدودِ افغانستان) میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب کر لی تھی اور ان پر مظالم کی انتہا کر دی تھی۔[۱۴] مرزا حیرت نے نہ صرف یہ کہ تحریکِ مجاہدین کے احوال و وقائع کے بارے میں تحقیق و تنقیح سے بھی کام نہیں لیا تھا، بلکہ بہت سے احوال و وقائع اپنی طرف سے وضع کر کے تالیف کر لیے۔ مولانا غلام رسول مہر کے الفاظ میں "یہ کتاب تاریخ نہیں بلکہ افسانہ ہے"۔[۱۵] انھوں نے شاہ اسماعیل شہید کو تحریک کا اصل ہیرو اور قائد بنا کر پیش کیا تھا، جب کہ سید احمد بریلوی کی حیثیت ضمنی اور ثانوی بنا کر پیش کی گئی تھی۔[۱۶] بعض اہل قلم نے جو تحریک جہاد سے متفق نہ تھے اس تحریک کے وقائع کی تعبیر و توجیہ کچھ اس طور سے کی، جس سے حقیقت کا چہرہ ہی مسخ ہو کر رہ گیا۔ بعد ازاں (اکتوبر ۱۹۴۱ء میں) مولانا عبید اللہ سندھی نے تحریک مجاہدین کو ایک انقلابی سیاسی تحریک کے روپ میں پیش کرتے ہوئے اس کے تنظیمی ڈھانچے، اغراض و مقاصد اور نصب العین اور بعض احوال و وقائع کی ایسی توجیہیں اور تعبیریں پیش کیں[۱۷] کہ محققین (مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا غلام رسول مہر) کو ان کی صحت و استناد کے

۱۲۔ سید علی حسن خان، **مآثر صدیقی** (لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء)، حصہ سوم، ۱۶۰۔

۱۳۔ بار اول مطبع فاروقی دہلی ۱۳۲۴ھ؛ کچھ عرصے بعد ایک ایڈیشن اور چھپا؛ ایک نسبتاً عمدہ ایڈیشن ۱۳۵۱ھ / جنوری ۱۹۳۳ء میں ثنائی برقی پریس، دفتر اخبار اہل حدیث امر تسر سے چھپا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد لاہور و کراچی سے کئی اداروں نے شائع کی۔ لاہور میں اسلامی اکادمی نے پہلی بار اگست ۱۹۷۶ء اور دوسری بار مئی ۱۹۸۴ء میں شائع کی۔

۱۴۔ مرزا حیرت دہلوی، **حیاتِ طیبہ** (سوانح عمری شاہ اسمٰعیل شہید) (لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۷۶ء)، خصوصاً ابواب ۵ تا ۱۰۔ ناقدانہ جائزے کے لیے دیکھیے: نور الحسن راشد کاندھلوی، "شاہ اسمٰعیل شہید کی سوانح حیات طیبہ اور اس کے مؤلف مرزا حیرت دہلوی"، مجلہ **احوال و آثار** (کاندھلہ)، سلسلۂ جدید، ۲: ۲۰-۲۱ (اکتوبر ۲۰۰۸ء-مارچ ۲۰۰۹ء)، ۶۰ا-۱۷۳۔

۱۵۔ غلام رسول مہر، **سید احمد شہید**، ۲۷۔

۱۶۔ اس باب میں مرزا حیرت دہلوی کے نقطۂ نظر کے تنقیدی جائزے کے لیے دیکھیے: سید ابو الحسن علی ندوی، "تعارف و تبصرہ: سید احمد شہید"، **الفرقان** (لکھنؤ)، ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ، ۴۱۔

۱۷۔ مولانا عبید اللہ سندھی، **شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک** (لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۲۰۰۸ء)۔

بارے میں شرح صدر نہ ہوا۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری اور میرزا حیرت دہلوی کی کتابوں میں درج بعض واقعات ان محققین کے دل میں کھٹکتے تھے۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ ان کے پیش رو مصنفین کی کتب میں سید احمد بریلوی کے افکار و خیالات نیز ان کی تحریک کے حقیقی مقاصد کی صحیح ترجمانی نہیں کی گئی ہے۔ خصوصاً سید صاحب کے جہاد کو سکھوں تک محدود کرنے کی صورت میں سید صاحب کے اصولِ جہاد ہی محل نظر رہ جاتے ہیں، حالاں کہ ان کی تحریروں (مکاتیب وغیرہ) میں متعدد ایسی عبارتیں ایسی تھیں جو اس تحدید کی تردید کر رہیں تھیں۔[۱۸] چناں چہ اس پس منظر میں انھوں نے نئے اسلوب پر سید احمد بریلوی کی سوانح و سیرت، تحریک اصلاح و جہاد میں ان کی حیثیت و کردار نیز جماعت مجاہدین کے احوال و وقائع کی تدوین و تحقیق کو ایک ایک علمی اور دینی و ملی ضرورت خیال کیا۔

(۲)

ممتاز صحافی، مؤرخ، ادیب اور مصنف و مترجم مولانا غلام رسول مہر[۱۹] نے اکتوبر ۱۹۳۴ء میں جدید ہندوستان میں جہاد کی تاریخ مرتب کرنے کا عزم کیا۔ اس سلسلے میں دو کام ان کے پیش نظر تھے: ۱- اٹھارویں صدی میں سلطنتِ میسور کے سلطان ٹیپو (۱۷۵۰ء-۱۷۹۹ء) کی غیر ملکی قوتوں کے خلاف مزاحمت و جہاد کی سرگزشت؛ اور ۲- سید احمد بریلوی اور ان کی تحریکِ اصلاح و جہاد کے احوال و وقائع کی تدوین و تحقیق۔[۲۰] مولانا مہر کی رائے میں سید احمد بریلوی کی تحریک اصلاح و جہاد "پاک و ہند کی اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کی یگانہ تحریک تھی، اور جس کے احوال و

۱۸- مولانا سندھی کی تعبیرات و توجیہات کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر اور مولانا مسعود عالم ندوی کی تنقیدی آرا کے لیے ملاحظہ ہو: غلام رسول مہر، **سید احمد شہید**، ۹۳-۹۴، ۳۳۵-۳۵۹؛ وہی مصنف، "**سید احمد شہید**: ایک کتاب کی سرگذشتِ ترتیب"، ماہ نو (کراچی)، جلد ۱۷، شمارہ ۱۰ (اکتوبر ۱۹۶۴ء)، ص ۵۵؛ مسعود عالم ندوی، **مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر** (بانکی پور، پٹنہ: مکتبہ دین و دانش، س-ن)، باب ۱، "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک: استدراک و تنقیح"، ۱-۱۲۷؛ وہی مصنف، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک**، "عرضِ مؤلف"، ۱۵-۱۶۔

۱۹- مولانا مہر کے احوال و آثار کے بارے میں دیکھیے: سفیر اختر، "مولانا غلام رسول مہر: ایک اقبال شناس"، **المعارف** (لاہور)، ۱۴: ۲ (فروری ۱۹۸۱ء)، ۳۴-۴۳؛ محمد آصف اعوان، **مولانا غلام رسول مہر: حالات و آثار** (لاہور: نشریات، ۲۰۱۳ء)؛ محمد حمزہ فاروقی (مرتب)، **مہر بیتی: مولانا غلام رسول مہر کی خودنوشت سوانح عمری** (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۲ء)؛ حمزہ فاروقی، **مہر اور ان کا عہد: مولانا غلام رسول مہر کی سیاسی اور صحافتی خدمات** (کراچی: پاکستان اسٹڈی سنٹر، جامعہ کراچی، ۲۰۰۸ء)۔

۲۰- غلام رسول مہر، **سید احمد شہید**، ۱۱-۱۲، ۱۵؛ وہی مصنف، "'سید احمد شہید': ایک کتاب کی سرگزشتِ ترتیب"، **ماہ نو** (کراچی)، ۱۷: ۱۰ (اکتوبر ۱۹۶۴ء)، ۵۶۔

وقائع کی تحقیق و تدوین متعدد پہلوؤں سے ضروری تھی"۔ ان کے خیال میں "یہ [تحریک] جن حالات میں شروع ہوئی تھی، وہ ہمارے عہد [بیسویں صدی عیسوی کا نصفِ اول] کے حالات سے بہت مشابہ تھے، لہٰذا اس سرگزشت میں ہمارے لیے عبرت و موعظت کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ موجود تھا"۔[۲۱] تاہم ان کی رائے میں اس موضوع پر کوئی مستند و معیاری تصنیف موجود نہ تھی، کہ غیر مسلم معاندین و مخالفین نے اپنی تحریروں میں حد درجہ تعصب کے سبب مسخِ حقائق سے کام لیا تھا جب کہ مسلم مصنفین بھی بڑی حد تک اس کی صحیح اور حقیقی تصویر پیش کرنے سے قاصر رہے تھے۔ "اس باب میں بیگانوں کی غلط فہمیاں اور مغالطہ انگیزیاں چنداں تعجب انگیز نہ تھیں، لیکن جن یگانوں نے اس پر قلم اٹھایا، وہ بھی اس کی عظمت یا صاحبِ دعوت کی بلند نگہی اور عزیمت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے۔ یا تو ٹھوکریں کھا کھا کر اس کی آبرو مٹاتے رہے یا قلت معلومات کی بنا پر تذبذب میں پڑ کر کوئی واضح راہِ فیصلہ پیدا نہ کر سکے"۔[۲۲] مولانا مہر اس موضوع پر اپنے پیش رو مصنفین مولانا محمد جعفر تھانیسری، نواب صدیق حسن خان، مرزا حیرت دہلوی، اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تصانیف کے معیار و استناد، خصوصاً اس تحریک کے اغراض و مقاصد اور نصب العین نیز بعض نہایت اہمیت کے حامل احوال و وقائع سے متعلق ان کی توجیہات و تعبیرات سے مطمئن نہ تھے اور شدید تحفظات رکھتے تھے۔[۲۳] چناں چہ ان (مولانا مہر) کے نزدیک علمی و تاریخی اور سیاسی و ملی اعتبار سے یہ امر بے حد ضروری تھا کہ "اس تحریک احیاے دین کے تمام روشن پہلو روشن و مبرہن ہو کر سامنے لائے جاتے"۔[۲۴] تاہم عملاً وہ کئی سالوں تک اس کام کا آغاز نہ کر سکے۔

۲۱۔ مہر، مرجع سابق، ۱۵۔

۲۲۔ نفس مرجع، ۱۵۔ اس سلسلے میں مولانا مہر کا روے سخن مولانا محمد جعفر تھانیسری اور مولانا عبید اللہ سندھی کی طرف بھی ہے، جنھوں نے اپنی تصنیف **شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک** میں سید احمد شہید کی ایک مختلف تصویر پیش کی تھی۔ مولانا مہر ان کی تعبیرات کو مسخِ حقائق کے مترادف گردانتے تھے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس تصنیف کو شاہ ولی اللہ کی تجدیدی و سیاسی تحریک کی تاریخ کے بجاے تاریخ سازی نیز اسے تحریک مجاہدین سے ناانصافی کے مترادف قرار دیا۔ جس میں مبالغہ آمیزی اچھی خاصی نظر آتی ہے۔ دیکھیے: خورشید احمد (مرتب)، **ادبیاتِ مودودی** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء)، ۲۲۳، ۲۲۴۔

۲۳۔ مہر، مرجع سابق، ۲-۷، ۹۳-۲۹، ۲۴۸، ۳۵۵-۲۵۵، ۳۵۹-۲۵۵۔

۲۴۔ مہر، نفس مرجع، ۱۵۔

اسی زمانے میں (۱۹۳۵ء) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دو نوجوان فضلا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی[۲۵] اور ان کے رفیق و عزیز دوست مولانا مسعود عالم ندوی[۲۶] نے، جو ذہنی و فکری طور پر سید احمد بریلوی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کی تجدیدی و اصلاحی تحریک سے بڑے متاثر تھے، اس تحریک کی مکمل و مفصل تاریخ مرتب کرنے کا عزم کیا۔ اول الذکر کا تعلق سید احمد شہید کے خانوادے (سادات دائرہ شاہ عَلَم اللہ، رائے بریلی) سے تھا، اور سید احمد شہید کی طرح ان کا مولد و منشا بھی دائرہ شاہ علم اللہ ہی تھا۔ مؤخر الذکر کا تعلق بہار سے تھا اور ان کا خاندان جماعت مجاہدینِ صادق پور کا معتقد اور ارادت مند تھا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ان دونوں فضلا کو اس امر کا شدید احساس تھا کہ ”سنجیدہ علمی اور سیاسی حلقوں میں ان کی ذات اور ان کی شخصیت اور کارناموں کا اس سے زیادہ بلند تصور نہیں پایا جاتا تھا کہ وہ پچھلی صدی کے ایک صاحب کرامات شیخ طریقت تھے جنھوں نے مجاہدین کی ایک جماعت مہیا کر کے رنجیت سنگھ (۱۷۸۰-۱۸۳۹ء) کی سکھ سلطنت کے خلاف اعلان جہاد کیا اور چند معرکوں کے بعد اپنے مخلص رفیقوں کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہو گئے۔ اور اس طرح ان کی مجاہدانہ سعی و کاوش کا خاتمہ ہو گیا۔ سنجیدہ علمی

۲۵- سید ابوالحسن علی ندوی کے احوال و آثار کے بارے میں دیکھیے: سید ابوالحسن علی ندوی، **کاروانِ زندگی** (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س۔ن)، ۶ اجزاء؛ محمد ارشد، ” مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی کی دینی و ملی خدمات“ ، مقالہ برائے ایم اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۸۷ء؛ سفیر اختر (مرتب)، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: **حیات و افکار کے چند پہلو** (اسلام آباد: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، ۲۰۰۲ء)؛ عبدالماجد الغوری، **أبو الحسن علی الندوي: الإمام المفکر الداعیة المربي الأدیب** (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۴۲۶ھ)؛ محمد اکرم الندوی، **أبوالحسن الندوي: العالم المربي والداعیة الحکیم** (دمشق: دار القلم، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)؛ محمد اجتباء الندوی، **ابو الحسن علی الحسنی الندوی: الداعیة الحکیم والمربي الجلیل** (دمشق: دار القلم، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء)۔

۲۶- مولانا مسعود عالم ندوی کے احوال وآثار اور علمی و ادبی کارناموں کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی، ”مقدمہ“، مشمولہ مسعود عالم ندوی، **مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر**، ۷- ۲۲ الف؛ مولانا ابوالحسن علی ندوی، **پرانے چراغ** (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س۔ن)، ۱: ۳۱۷-۳۵۷؛ وہی مصنف، **کاروانِ زندگی** (کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، س۔ن۔)، ۱: ۱۱۶-۱۱۸؛ اختر راہی، **مسعود عالم ندوی: سوانح و مکتوبات** (گجرات: مکتبۂ ظفر ناشر قرآنی قطعات، ۱۹۷۵ء)، ۱۷- ۳۹؛ اعجاز الحق قدوسی، **اقبال اور علمائے پاک وہند** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء)، ۳۵۷- ۳۶۷؛ سید اسعد گیلانی، **مسافرانِ عدم** (لاہور: حسنات اکیڈمی، س۔ن۔)، ۳۶-۵۰؛ خلیل احمد الحامدی، ”مسعود عالم ندوی کے مختصر حالاتِ زندگی“، مشمولہ مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک** (لاہور: ادارۂ معارف اسلامی، ۱۹۹۲ء)، ۷-۱۲۔

اور سیاسی حلقوں میں ان کی ذات اور ان کی شخصیت اور کارناموں کا اس سے زیادہ بلند اور واضح تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ اور نہ ان کی سیرت و حالات کی تحقیق و جستجو اور تبلیغ و اشاعت کی کوئی سنجیدہ کوشش و تحریک پائی جاتی تھی۔ چناں چہ انھیں اس امر کا شدت سے احساس ہوا کہ سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کی چلائی ہوئی تحریک تجدید و امامت کی مکمل تاریخ مرتب کی جائے۔(۲۷) غلام رسول مہر کی طرح یہ دونوں ندوی فضلا بھی یہی رائے رکھتے تھے کہ "سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت اور ان کی تحریک کے تعارف پر نئے علمی اسلوب اور طرز پر لکھنے کی ضرورت ہے"۔(۲۸) چناں چہ دونوں فضلا کے مابین یہ طے ہوا کہ اول الذکر (سید ابوالحسن علی ندوی) سید صاحب کی سیرت و سوانح اور ان کی تحریک کی تاریخ (معرکہ بالاکوٹ، مئی ۱۹۳۱ء تک) لکھیں گے اور مؤخر الذکر (مولانا مسعود عالم ندوی) ان کی تحریک کا تعارف کرائیں گے اور مشہدِ بالاکوٹ (۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ / ۶ مئی ۱۸۳۱ء) سے اپنا قلمی سفر شروع کریں گے۔ یعنی وہ سید صاحب کی شہادت کے بعد ان کی تحریک کی تاریخ اور ان کی جماعت کی مجاہدانہ کوششوں کی روداد لکھیں گے۔(۲۹) دونوں ندوی فضلا اس سے قبل اس موضوع پر نہ صرف یہ کہ ابتدائی مطالعہ کر چکے تھے بلکہ کچھ لکھ بھی چکے تھے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ دونوں نے اس موضوع پر تصنیف و تالیف کا آغاز عربی میں کیا۔ سید احمد شہید کی شخصیت اور ان کی تجدیدی تحریک کے تعارف میں سید ابوالحسن علی ندوی کی سعی و کاوش کا ابتدائی نمونہ علامہ رشید رضا کے مؤقر مجلے المنار (قاہرہ) میں شائع ہوا (۱۹۳۰ء) جسے علامہ موصوف نے ترجمة الإمام السيد أحمد بن عرفان الشهيد کے نام سے ایک علاحدہ رسالے کی شکل میں بھی شائع کیا (۱۹۳۱ء)۔(۳۰) مولانا مسعود عالم ندوی نے ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء میں ہندوستان کی اسلامی تحریکوں اور

۲۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی، **سیرت سید احمد شہید** (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، س۔ن)، ۱: ۱۵؛ مسعود عالم ندوی، **محمد بن عبدالوھاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح** (فیصل آباد: طارق اکیڈمی، ۱۹۷۷ء)، "تقریب"، ۲۱۔

۲۸۔ ابوالحسن علی ندوی، **کاروان زندگی**، ۱: ۱۶۷۔

۲۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی، نفس مصدر، ۱: ۱۶۷؛ وہی مصنف، **پرانے چراغ**، ۱: ۳۳۹؛ مولانا مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک** (لاہور: ادارۂ معارف اسلامی، ۱۹۹۲ء)، "عرض مؤلف"، ۱۳؛ وہی مصنف، **محمد بن عبدالوہاب: ایک مظلوم اور بدنام مصلح** (حیدر آباد دکن: مکتبۂ نشاۃ ثانیہ، ۱۹۴۷ء)، ۲؛ (فیصل آباد: طارق اکیڈمی، ۱۹۷۷ء)، ۲۱۔

۳۰۔ سید احمد کی سیرت اور ان کی تحریک اصلاح و جہاد پر سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ عربی رسالہ دراصل مولوی محی الدین احمد قصوری کے ایک مفصل مضمون کا عربی ترجمہ تھا، جو رسالہ **توحید** (امرتسر) میں "تیرھویں صدی کا مجاہدِ اعظم" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، دیکھیے: ابوالحسن علی ندوی، **سیرت سید احمد شہید**، ۱: ۱۳-۱۴؛ نیز دیکھیے: ندوی، **کاروان**، ۱: ۱۶۷۔

احیاے دین کی کوششوں پر اپنی عربی تصنیف **حاضر الهند و غابرها** لکھی تو اس میں ایک باب ہندوستان کی اس سب سے بڑی تحریک پر بھی شامل کیا جو الحرکة الوهابية الهندية السياسية کے عنوان سے عربی مجلے **الضیاء** (لکھنؤ) میں طبع ہوا (شعبان ۱۳۵۴ھ / دسمبر ۱۹۳۵ء)۔ [۳۱] مصنف نے اس تحریر کو اردو میں بھی منتقل کیا، جو **الہلال** (پٹنہ) میں "وہابیت ایک دینی وسیاسی تحریک" کے عنوان سے انھیں دنوں شائع ہوئی۔

(۳)

سید ابوالحسن علی ندوی نے طے شدہ منصوبے کے مطابق ۱۹۳۶ء میں اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا۔ اس وقت سید صاحب کی سوانح وسیرت سے متعلق مواد ومسالہ کا سب سے بڑا ذخیرہ ان کے اپنے مولد ومنشا دائرہ شاہ علم اللہ (راے بریلی) نیز ٹونک میں جہاں معرکہ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) میں سید صاحب کی شہادت کے بعد ان کے خاندان کا ایک بڑا حصہ مقیم ہو گیا تھا، موجود تھا۔ [۳۲]

ریاست ٹونک کے کتب خانے میں بھی سید صاحب کے حالات و واقعات کا بڑا وقیع ذخیرہ موجود تھا۔ چناں چہ انھوں (سید ابوالحسن علی ندوی) نے دائرۂ شاہ علم اللہ (راے بریلی) میں اپنے خاندان کے ہاں موضوع

۳۱۔ مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک**، "عرض مؤلف"، ۱۳؛ وہی مصنف، **محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح**، ۲۲۔

۳۲۔ والیِ ٹونک نواب وزیر الدولہ (م ۱۸۶۴ء) نے، جو سید احمد کے ارادت مندوں میں سے تھے اور جنھوں نے باصرار سید احمد کے اہل وعیال اور متعلقین کو ٹونک بلوالیا تھا، سید احمد اور ان کی تحریک کی وقائع نگاری کے لیے اولین اقدامات کیے تھے۔ نواب وزیر الدولہ اور ان کے جانشین نواب محمد علی خان (۱۸۶۴۔۱۸۶۷ء؛ م ۱۸۹۵ء) کی کوششوں سے سید احمد اور ان کی تحریک کے احوال ووقائع پر مستند معلومات یک جا کرنے کا اہتمام کیا گیا اور سید احمد شہید کے متعلقین، اور مجاہدین کی یادداشتوں اور مشاہدات پر مبنی تین ضخیم کتابیں: **منظورة السعداء فی احوال الغزاة والشهداء** (فارسی)، **مخزنِ احمدی** (فارسی: مطبع مفید عام، آگرہ ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۳ء) اور **وقائع احمدی** (اردو: سید احمد شہید اکیڈیمی، لاہور ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء) مرتب کی گئیں۔ خود نواب وزیر الدولہ (نواب حافظ محمد وزیر خان بہادر (۱۸۳۴۔۱۸۶۴ء) نے اپنی تالیف **وصایا الوزیر علی طریق البشیر والنذیر** میں اپنی وصیت کے ساتھ سید احمد شہید اور ان کے رفقا کی حکایات نقل کی تھیں۔ سید احمد شہید اور ان کی تحریک کی وقائع نگاری کی تاریخ کے لیے والیانِ ٹونک کے اقدامات اور ان کے حاصلات کے بارے میں ملاحظہ ہو: سید ندوی، **سیرت**، "کتاب کے مآخذ" ۱: ۳۰۔۳۶؛ مہر، **سید احمد شہید** ۱۹۔۳۱؛ سفیر اختر، "برصغیر کی تحریکِ اصلاح وجہاد: سید ابوالحسن علی ندوی کی علمی و تصنیفی کاوشوں کا ایک موضوع"، در **مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو**، ۱۳۱۔۱۳۴۔

سے متعلق دست یاب قلمی ماخذ سے استفادے کے علاوہ ٹونک کا سفر کیا۔ ٹونک میں قیام (مئی۔جون ۱۹۳۶ء) کے دوران میں اپنے اعزہ کے ہاں دست یاب قلمی مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے تصنیف کا آغاز کیا۔ بعد ازاں پٹنہ کا سفر کیا اور جماعت مجاہدین صادق پور کے بارے میں مواد و معلومات حاصل کیں۔ خصوصاً جماعت مجاہدینِ صادق پور کے رکن رکین مولانا یحییٰ علی (م شوال ۱۲۸۴ھ / فروری ۱۸۶۸ء؛ بمقام جزائر انڈمان) کے فرزند مولوی محمد موسیٰ، نیز اس خاندان کے ایک باخبر فرد مولوی عبد الغفار سے بہت قیمتی و مفید معلومات حاصل ہوئے نیز مجاہدین کے خطوط اور قلمی وقائع سے استفادے کا موقع ملا۔[۳۳] سید ابو الحسن علی ندوی کی یہ کاوش **سیرت سید احمد شہید** کے عنوان سے ۱۹۳۹ء کے آغاز میں علامہ سید سلیمان ندوی کے ولولہ انگیز اور فاضلانہ مقدمے کے ساتھ مطبع نامی پریس لکھنؤ سے ۴۶۴ صفحات میں چھپ کر نکلی۔ سید سلیمان ندوی نے دل کھول کر سید احمد شہید کے کارنامۂ جہاد واصلاح و تجدید کا تعارف کرایا تھا اور نوعمر مصنف کی، جس کی یہ پہلی تصنیف تھی، کی پوری حوصلہ افزائی، بلکہ عزت افزائی کی تھی۔[۳۴] اس کتاب کو مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد شہید کی تجدید دین کی تحریک کی "تاریخی داستان کے بجائے نوجوان مسلمانوں کے لیے عملی روح کا سامان" قرار دیا اور لکھا: "مصنف نے یہ کتاب بڑی دقت سے لکھی ہے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں رشد وہدایت اور عزم و ہمت کا ایک صحیفہ دے دیا ہے، کیا عجب کہ مسلمان اس تاریخی موقع پر اس کتاب سے اصلاح و ہمت کا فایدہ اٹھائیں اور اپنے ماضی کے آئینے میں اپنے مستقبل کی شکل و صورت دیکھیں"۔[۳۵] اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں نکلا۔ سید احمد شہید کی سوانح اور ان کی تحریک کے احوال و وقائع کی تحقیق و تدوین کے میدان میں سید ابو الحسن علی اپنے رفیق و عزیز دوست مولانا مسعود عالم پر سبقت لے گئے کہ اس باب میں ان کی تحقیق وجست جو کے حاصلات ونتائج کے منظر عام پر آنے (۱۳۶۵ھ) سے پہلے ان کی سیرت سید احمد شہید کے دو ایڈیشن (دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء) نکل کر، بالفاظ مولانا مسعود عالم" قبول عام کی سند حاصل کر چکے تھے"۔[۳۶]

۳۳۔ ندوی، **کاروان** ا: ۱۶۷۔۱۷۹،۱۶۹۔۱۸۱؛ وہی مصنف، **سیرت**، ا: ۱۵۔۱۶۔

۳۴۔ ندوی، **کاروان**، ا: ۱۸۷۔

۳۵۔ سید سلیمان ندوی، "مسافرِ اسلام ہندوستان کے غربت کدے میں!"، در **ابو الحسن علی ندوی، سیرت**، ا: ۲۵۔۲۶۔ نیز دیکھیے: ندوی، **کاروان**، ا: ۱۶۷۔۱۶۹،۱۷۸۔۱۷۹؛ وہی مصنف، **سیرت**، ا: ۱۵۔۱۶۔

۳۶۔ مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک** (لاہور: ادارۂ معارفِ اسلامی، ۱۹۹۲ء) "عرضِ مؤلف"، ۱۳۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کو اس امر کا پورا احساس تھا کہ چوں کہ ان کی طبیعت پر جلد از جلد کتاب شائع کرنے کا تقاضا غالب تھا اس لیے بڑی عجلت میں لکھی گئی تھی اور ماخذ و منابع کا جو وسیع ذخیرہ ان کے خاندان اور اعزہ و اقارب کے پاس تھا وہ اس کو اچھی طرح سے کھنگال نہیں سکے۔ مزید بر آں "کتاب کے پہلے ایڈیشن میں واقعات کی تفصیل کے لحاظ سے بھی اور محققانہ اور مؤرخانہ حیثیت سے بھی بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں تھیں"، چناں چہ ان پر نظر ثانی شدہ اشاعت کا تقاضا پیدا ہوا[۳۷] اور انھوں نے اس غرض سے ۱۹۴۶ء میں دوبارہ ٹونک کا سفر کیا، ہزاروں صفحات پر مشتمل قلمی ذخیرے کو دوبارہ پڑھا اور اس سے ضروری مواد حاصل کیا۔ اس کے بعد بھی ان کا ذوقِ جستجو اپنا کام کرتا رہا۔ پرانی قلمی تحریروں، یادداشتوں، دستاویزوں اور خطوط کا ایک بے پناہ ذخیرہ دیگر ذرائع سے ان کے ہاتھ لگا، جن کی مدد سے کتاب پر نظر ثانی کی۔ ان تحریروں، دستاویزوں اور خطوط سے بہت سے واقعات کے سنین اور ان کا زمانہ متعین ہوا جو پہلے متعین نہیں ہو سکا تھا۔ بعض واقعات کے سنین جو انھوں نے یا دوسرے مصنفین نے متعین کیے تھے وہ غلط ثابت ہوئے۔ مزید براں وقائع احمدی اور دوسرے مآخذ سے بعض نئے واقعات سے متعلق تفصیلات کا علم ہو۔[۳۸] نظر ثانی شدہ ایڈیشن کی پہلی جلد ۱۹۴۹ء میں، جب کہ اسی جلد کی چوتھی نظر ثانی شدہ اشاعت (وسیع اضافوں کے ساتھ) اکتوبر ۱۹۵۸ء میں (لاہور: خواجہ بکڈپو) منظر عام پر آئی۔ البتہ دوسری جلد کئی سال بعد پہلی بار ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئی، جو دوسری بار ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء میں ایچ ایم سعید کمپنی کراچی کی طرف سے شائع ہوئی۔[۳۹]

سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے تئیں کوشش کی تھی کہ ان کی اس تصنیف میں سید احمد شہید کی سیرت اور ان کی تحریک کی سچی اور حقیقی تصویر سامنے آئے۔ اس لیے انھوں نے کسی بھی نوعیت کی رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی اور واقعات کی من پسند تعبیر سے اجتناب کی سعی کی تھی۔ کتاب میں انھوں نے جو اسلوب اور روش اختیار کی اس کی توضیح انھوں نے بایں الفاظ کی:

> مصنف نے کوشش کی ہے کہ صاحب سیرت [سید احمد شہید] اپنی اصلی صورت میں نظر آئے۔ اس نے نہ مشرقی سوانح نگاروں کی طرح رنگ آمیزی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور نہ مغربی مؤرخین کی تقلید میں خواہ مخواہ کتاب کو بے

۳۷۔ ندوی، سیرت، ۱: ۱۶۔۱۷؛ ندوی، پرانے چراغ، ۲: ۱۹۳۔

۳۸۔ ندوی، سیرت، ۱: ۱۷۔۱۸۔

۳۹۔ ندوی، نفسِ مصدر، جلد ۲، "حرف گفتنی"، ا۔ب۔

روح اور بے اثر بنانے کی کوشش کی ہے، نہ زمانے کے سانچے میں ڈھالنے کی سعی کی ہے اور نہ کسی خواہش و تخیل کے ماتحت تاریخ سازی کا ارادہ کیا ہے بلکہ روایات وواقعات کی زبان میں بھی کم سے کم تغیر کیا ہے۔(۴۰)

سید ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف کو علمی و ادبی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور اس میں موجود نقائص کی نشان دہی سے بالعموم صرف نظر کیا گیا۔ البتہ ان کے ایک فاضل معاصر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مجلے **ترجمان القرآن** میں اس پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی تھی۔ سید مودودی کا یہ تبصرہ، آج بھی اس موضوع پر تحقیق و تصنیف کرنے والوں کے لیے اپنے اندر غور و فکر کا سامان رکھتا ہے:

اب سے سوا سو برس پہلے اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے جو عظیم تحریک حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ کی سرکردگی میں اٹھی تھی اور جس نے تمام ہندوستان بلکہ آس پاس کے ممالک تک میں روح اسلامی کی ایک زبردست لہر پھیلا دی تھی، اس کے متعلق پہلی مرتبہ اتنی تفصیلی معلومات اور اس قدر مستند ذرائع سے اردو زبان میں فراہم ہوئی ہیں۔ امید ہے کہ اس کا مطالعہ متعدد حیثیات سے مفید ثابت ہوگا اور خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ اس سے بہت فائدہ اٹھائیں گے جو اسی مقصد عزیز کے لیے پھر ایک مرتبہ سعی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر مؤلف کے کام کی پوری قدر کرنے کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک اس تحریک کے اساسات، اور اس کے نظام اور طریقِ عمل، اور اس کی کامیابیوں اور ناکامی کے اسباب، اور اس کے قوی اور کمزور پہلوؤں کے متعلق بہت کچھ مزید معلومات کی تلاش اور جستجو ضروری ہے، نیز اس ذخیرۂ معلومات کو پوری طرح مفید بنانے کے لیے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اسے بالکل سائنٹیفک طریقہ پر مرتب کیا جائے اور تاریخ کے ایک محقق طالب علم کی طرح واقعات پر بے لاگ تنقید کی جائے۔ اگر ہمیں اپنے اسلاف کے کاموں اور ان کے تجربات سے اپنے حال کی اصلاح اور مستقبل کی تعمیر کے لیے پورا پورا فائدہ اٹھانا ہے تو سوانح نگاری کے قدیم طرز میں کافی ترمیم کر کے عقیدت مندی کے عنصر کو کم کر کے اور تنقید و تحقیق کے عنصر کو بڑھانا پڑے گا۔(۴۱)

مولانا مسعود عالم ندوی نے، جو اپنے رفیق اور دوست کی اس تصنیف کی کھلے دل سے تحسین کی تو اس کے ساتھ ساتھ اس کے ایک کم زور پہلو کی صریح لفظوں میں نشان دہی بھی کی، مولانا مسعود کے خیال میں چوں کہ مصنف کا سید احمد شہید اور ان کے رفقا کے بارے میں طرز فکر سراسر عقیدت و محبت کا رہا، اس لیے وہ تحریک کے اساطین و اکابرین کے طرز عمل، اور بعض اہم امور میں ان کی کوتاہیوں پر تنقیدی نگاہ ڈالے بغیر آگے بڑھ گئے۔ مولانا مسعود کے الفاظ میں:

۴۰۔ ندوی، **سیرت**، ۱: ۱۹۔

۴۱۔ **ترجمان القرآن**، اپریل ۱۹۴۲ء، جلد ۲۰، عدد ۲، بحوالہ خورشید احمد (مرتب)، **ادبیاتِ مودودی** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء)، ص ۲۲۸۔۲۲۹۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب سیرت سید احمد شہید سید صاحب کی سوانح، ان کی تعلیمات اور مشن پر بے مثل کتاب ہے اور اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے، سب پر بھاری ہے، مگر افسوس کہ میرے عزیز ترین دوست اور مخلص بھائی کا طریق نظر و فکر خالص عقیدت مندانہ ہے اور انھوں نے بزرگوں کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے نگاہ بچا کر نکل جانے کی کوشش کی ہے۔ [۴۲]

سید ابوالحسن علی ندوی نے بعد ازاں سید احمد شہید کے اکابر خلفا و رفقا کے احوال و وقائع اور سلسلۂ تنظیم و جہاد کے سلسلے میں ان کی مساعی کو موضوع بنایا اور ان کے تذکرے پر مشتمل ایک کتاب **کاروانِ ایمان و عزیمت** کے نام سے مرتب کر کے شائع کی۔ [۴۳] مزید براں عالمِ عربی کو اس تحریک سے متعارف کرانے کے لیے ایک کتابچہ **إذا هبّت ريح الإيمان** کے نام سے تصنیف کیا (۱۹۵۳ء)، جس کا اردو ترجمہ محمد الحسنی کے قلم سے **جب ایمان کی بہار آئی** کے نام سے شائع ہوا۔ [۴۴]

(۴)

مولانا مسعود عالم ندوی نے کئی سال کی سعی و کاوش سے مجوزہ تحقیقی و تصنیفی منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان کا جماعت مجاہدین صادق پور کے مرکز عظیم آباد (پٹنہ) میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے کیٹلاگر کے طور پر سات سال مسلسل قیام رہا تھا (۱۹۳۸ء-۱۹۴۴ء)۔ اس اثنا میں انھوں نے جماعت مجاہدین صادق پور، جنھوں نے مشہد بالاکوٹ کے بعد تحریک اصلاح و جہاد کی قیادت کا فریضہ انجام دیا تھا، اور بہار و بنگال میں تحریکِ کے اعوان و انصار کے بارے میں بڑا قیمتی مواد فراہم کیا۔ خصوصاً انھوں نے مجاہدین اور ان کے اعوان و انصار پر انگریزی حکومت کی طرف سے انبالہ، مالدہ، پٹنہ اور دیگر شہروں میں قائم خصوصی عدالتوں میں مقدمات کی رودادوں، مجاہدینِ صادق پور کے افرادِ خاندان کے پاس موجود غیر مطبوعہ تذکروں، یادداشتوں اور مکاتیب سے بھرپور استفادہ کیا۔ مزید براں علمائے صادق پور کے خاندان کے بعض افراد کی بہت قیمتی و مفید معلومات بہم پہنچاتے ہوئے اپنا کام مکمل کیا تھا۔ [۴۵] مولانا مسعود عالم ندوی کی یہ علمی کاوش **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک** کے نام سے

۴۲۔ مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک** ۱۶۔

۴۳۔ شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ (س۔ن) مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی (س۔ن۔) و سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

۴۴۔ شائع کردہ مجلسِ تحقیقات و نشریاتِ اسلام، لکھنؤ و مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی (س۔ن) و سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

۴۵۔ مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک**، ۱۴۔۱۷۔

پہلی بار حیدرآباد دکن (دارالاشاعت نشأۃ ثانیہ ١٩٤٦ء) سے شائع ہوئی۔ جسے علمی حلقوں میں سراہا گیا۔[٤٦] (٤٥ب)۔ دوسرا ایڈیشن ١٩٤٩ء میں راولپنڈی (مکتبۂ ملیہ ١٩٤٩ء/١٣٦٨ھ) سے نکلا۔ مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب زیادہ تر جماعت مجاہدین صادق پور (عظیم آباد: پٹنہ) اور بنگال و بہار میں ان کے اعوان و انصار کو راہ جہاد میں درپیش آلام و مصائب، خصوصاً برطانوی حکومت کی طرف سے قائم خصوصی عدالتوں میں ان پر قائم مقدمات (جو وہابی ٹرائیلز کے نام سے مشہور ہیں) اور بدترین سزاؤں، اور مقدمات میں ماخوذ مجاہدین کی جزائر انڈمان کی طرف جلاوطنی وغیرہ امور کے تذکرے پر محیط رہی۔ ان کی یہ علمی کاوش بعض اہم پہلوؤں کے اعتبار سے، خصوصاً مشہدِ بالاکوٹ کے بعد شمال مغربی سرحدی صوبے میں جماعت مجاہدین کے احوال و وقائع سے متعلق ضروری مآخذ تک رسائی نہ ہونے کے سبب، تشنۂ تکمیل رہی۔ اس امر کا اعتراف خود مصنف کو بھی تھا جس کا اظہار انھوں نے کتاب کی پہلی اشاعت میں ''عرضِ مؤلف'' کے ذیل میں بایں الفاظ کیا:

> تمام آسانیوں [جماعت مجاہدین صادق پور کے خاندان کے افراد سے روابط اور خدابخش اورینٹل لائبریری سے وابستگی وغیرہ] کے باوجود مواد کے فراہم اور تلاش کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا رہا اور سات آٹھ سال کی مسلسل محنت کے باوجود بعض گم شدہ کڑیوں کا سراغ نہیں مل سکا۔[٤٧]

چناں چہ وہ برابر اس جستجو میں رہے کہ نیا مواد و معلومات فراہم ہوں تاکہ تحریک سے متعلق ''گم شدہ کڑیوں'' کا سراغ مل سکے۔ انھوں نے اپنی کتاب **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک** کی پہلی اشاعت (١٣٦٥ھ) کے وقت موضوع کی اہمیت اور ذرائع علم کی کمی کے باعث اہلِ نظر سے درخواست کی تھی کہ وہ مفید مشوروں سے سرفراز فرمائیں مگر اس باب میں انھیں بالکل مایوسی ہوئی۔ رسالوں اور اخباروں کے تبصرے عام طور پر اچھے اور حوصلہ افزا تھے، لیکن مصنف کے نزدیک علمی مشورے کی تلاش ان میں بے سود تھی۔ انھوں نے ذاتی طور پر بھی متعدد اربابِ علم سے مشورہ کی درخواست کی لیکن مقصد کے حصول میں کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ مولانا غلام رسول مہر مدیر انقلاب نے بلاکسی درخواست کے کتاب دیکھتے ہی بعض کوتاہیوں کی طرف توجہ دلائی اور پھر مؤلف کی درخواست پر مفصل نوٹ لکھ کر مرحمت کیا اور پھر یہی نہیں بلکہ مولانا مسعود عالم سے ملاقات کر کے (دارالعروبہ، جالندھر شہر) مزید بحث و تمحیص کا موقع فراہم کیا۔ مولانا مہر کے مشوروں کا ایک معتدبہ حصہ تو مولانا مسعود عالم

٤٦۔ مولانا مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک** (حیدرآباد دکن: دارالاشاعت نشأۃ ثانیہ) پر محولہ علمی تبصروں کے لیے دیکھیے: **معارف** (اعظم گڑھ)، ٥٨: ٤ (ذی قعدہ ١٣٦٥ھ/اکتوبر ١٩٤٦ء)۔

٤٧۔ مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک**، ''عرضِ مؤلف''، ١٤؛ نیز ''دیباچہ طبع دوم''، ١٩۔

نے بلا پس و پیش قبول کر لیا اور بعض ایسے مشورے بھی تھے جن کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہ ہو سکی۔ ان کا انھوں نے کتاب کے حاشیوں میں ذکر کر دیا ہے۔ ان کی تصنیف میں جہاں جہاں "ایک صاحب علم کا" ذکر ہے اس سے مراد مولانا غلام رسول مہر ہی ہیں۔[۴۸] اگرچہ مولانا غلام رسول مہر کے مشوروں کی روشنی میں کتاب کے "دوسرے ایڈیشن میں کافی تصحیح و تنقیح کی گئی تھی"[۴۹] بایں ہمہ موٴلف کی نظر میں پھر بھی تحقیق کے بعض گوشے اوجھل رہ گئے تھے جس کی بنا پر ایک مزید تنقیحی ایڈیشن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر حالات، مشغولیتوں کی فراوانی اور مسلسل علالت کے باعث تیسرے ایڈیشن میں صرف جزوی ترمیم و اضافہ پر اکتفا کرنا پڑا۔[۵۰]

مولانا مسعود عالم ندوی نے کے مشوروں نیز ان کی طرف سے فراہم کردہ معلومات سے استفادے کے ساتھ ساتھ جواباً مولانا مہر کے علمی منصوبے کی تکمیل کے لیے اپنی دائمی علالت کے باوجود ممکنہ حد تک دست تعاون بڑھایا اور صادق پور (عظیم آباد؛ پٹنہ) کی جماعت مجاہدین اور انگریزی اقتدار کی طرف سے ان پر ڈھائے جانے والے روح فرسا مظالم کے بارے میں قیمتی معلومات بہم پہنچائیں۔[۵۱] آئندہ صفحات میں درج مولانا مہر کے نام ان کے مکتوبات سے اس امر کی کافی شہادت فراہم کرتے ہیں۔

(۵)

مولانا غلام رسول مہر نے، جیسا کہ سطورِ بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے، سید احمد بریلوی کی سوانح اور تحریک مجاہدین کی تاریخ کی تدوین و تصنیف کا عزم تو اکتوبر ۱۹۳۴ء میں کیا تھا لیکن عملاً اس کام کا آغاز کئی سال بعد ۱۹۳۹ء میں کیا۔ انھی دنوں ۱۹۳۹ء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب **سیرت سید احمد شہید** بھی شائع ہو کر منظر عام پر آ گئی تھی، جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں نکلا۔ بایں ہمہ انھوں نے جو عزم سفر باندھا تھا اس کو ٹلا نہ سکے۔ دراصل سید احمد شہید کی سوانح اور ان کی تحریک کے احوال و وقائع کی تصنیف و تالیف کا ایک خاص معیار ان کے پیشِ نظر تھا جو اس موضوع پر موجود کتب میں ان کے حسبِ منشا موجود نہ تھا۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

> متعارف معلومات کو نئی عبارت کے آئینے میں سجا کر پیش کر دینا چنداں مشکل نہ تھا۔ سید صاحب [سید احمد شہید] کے متعلق دو کتابیں پہلے چھپ چکی تھیں۔ ۱۹۳۹ء میں سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب بھی شائع ہو چکی تھی۔ مجاہدین کی مختلف

۴۸۔ مسعود عالم ندوی، نقشِ مصدر، ۱۹۔۲۰ (مرقومہ موٴرخہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ، دار العروبہ، جالندھر)۔

۴۹۔ مسعود عالم ندوی، نقشِ مصدر، ۲۵۔

۵۰۔ مسعود عالم ندوی، نقشِ مصدر، ۲۵۔

۵۱۔ مہر، **سید احمد شہید**، "دیباچہ"، ۱۵۔

جنگوں کے حالات متعدد انگریزی کتابوں سے اخذ کیے جاسکتے تھے۔ ان معلومات کو سمیٹ کر دو یا تین جلدیں لکھ دینا غیر معمولی کاوش کا محتاج نہ تھا، لیکن میرے سامنے ابتدا ہی سے اس کام کے سر انجام دینے کا ایک خاص معیار اور ایک خاص پیمانہ تھا۔ اگرچہ اس کام کی تکمیل بظاہر بہت دشوار نظر آتی تھی، تاہم طبیعت اس معیار کے ترک یا اس کے درجے میں تنزل پر کبھی راضی نہ ہوئی۔ دنیا کو دعوت تماشا دینا اسی صورت میں مناسب ہے کہ انسان کوئی ایسی چیز منظرِ عام پر لاسکے، جس سے نگاہیں عام طور پر آشنا نہ ہوں۔ معلوم عام وقائع کو نئے اسلوب اور نئے انداز میں دہرا دینا ہر گز اس امر کا مستحق نہیں کہ اس میں وقت صرف کیا جائے یا اسے قابل ذکر کام سمجھا جائے۔ (۵۲)

اس کا ایک محرک یہ تھا کہ ان کے معاصرین (سید ابوالحسن علی ندوی و مسعود عالم ندوی) کی تالیفات میں سید احمد کی شہادت کے مابعد دور کی جماعت مجاہدین کی سرگزشت کا مکمل احاطہ نہیں کیا گیا تھا۔ ثانی الذکر کا کام علمائے صادق پور کے تذکرے تک محدود تھا۔ گویا تحریک کے دوسرے اور تیسرے دور کے احوال و وقائع کی تدوین و تحقیق کا کام ہنوز باقی اور کسی صاحب ہمت کی توجہ کا منتظر تھا۔ مولانا مہر جماعت مجاہدین کی تاریخ کے اس اہم حصے کا احاطہ بھی ضروری خیال کرتے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر مختارالدین احمد کے نام ایک خط (محررہ ۱۰/ اپریل ۱۹۴۵ء) میں لکھا:

مولانا ابوالحسن علی میرے دیرینہ کرم فرما ہیں۔ مولانا مسعود عالم کی کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ زیادہ تر اربابِ صادق پور کے حالات تک محدود ہے۔ یہ بزرگ اگرچہ مجاہدین کی تحریک کے نمایاں کارکن رہے لیکن ساری سرگزشتِ مجاہدین صرف انھی کے تذکروں۔ پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بہر حال سنا ہے کہ کہ مولانا کی کتاب جلد چھپ جائے گی۔ ہند میں جماعتِ مجاہدین کا دوسرا حصہ شروع کرنے سے پیشتر ان کی کتاب کا انتظار کروں گا۔ (۵۳)

سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل کے متعلق مولانا غلام رسول مہر کی ایک ابتدائی تحریر مجلہ ہند میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں انھیں "کئی قیمتی قلمی مآخذ مل گئے اور بیسیوں نادر انگریزی و فارسی تحریرات کی مدد سے سید صاحب کے مجاہدات کا مفصل نقشہ مرتب کیا"۔ (۵۴) انھوں نے سید احمد شہید اور جماعت مجاہدین کے احوال و وقائع، ضروری معلومات اور بنیادی مآخذ کی جمع آوری کی غرض سے ہندوستان کے تاریخی ذوق رکھنے والے ممتاز اہل علم سے رجوع کیا۔ مجاہدین کی ہجرت اور معرکۂ بالاکوٹ کے بعد ہندوستان میں عظیم آباد (پٹنہ، صوبۂ بہار) کو اس

۵۲۔ مہر، نفسِ مرجع، ۱۲۔۱۳۔

۵۳۔ مولانا غلام رسول مہر بہ نام ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو، محررہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۵ء، مجلہ **تحقیق** (سندھ یونیورسٹی، جام شورو)، شمارہ ۱۲۔۱۳ (۱۹۹۸۔۱۹۹۹ء)، ۵۸۸۔

۵۴۔ غلام رسول مہر بنام مختارالدین احمد آرزو (محررہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۵ء)، حوالۂ مذکورہ۔

تحریک کا سب سے اہم مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ چناں چہ اس خطے (صوبہ بہار) کے ممتاز عالم دین اور مصنف و موٗرخ سید سلیمان ندوی ان کی توجہ کا مرکز ٹھہرے۔ انھوں نے سید سلیمان ندوی کے نام مراسلت کا آغاز شعبان/رمضان ۱۳۶۱ھ میں کیا۔ جواب میں سید سلیمان ندوی کی طرف سے پہلا خط ۲۰/رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ کو لکھا گیا۔ سید صاحب نے متعلقہ موضوع پر مواد کے حصول کے مواقع کی نشان دہی کی۔ خصوصاً اس میدان میں اپنے دونوں شاگردوں مولانا مسعود عالم ندوی اور سید ابوالحسن علی ندوی کی کاوشوں اور ان کے حاصلات و نتائج سے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی مولانا مہر کو یہ مشورہ بھی دیا کہ چوں کہ مولانا مسعود عالم ندوی اور سید ابوالحسن علی ندوی اس موضوع پر سید احمد شہید کی سیرت اور تحریک مجاہدین کی" تاریخ کا بڑا حصہ ترتیب دے چکے ہیں اس لیے بہتر ہو کہ وہ اس بارسے سبکدوش ہو کر کسی اور کام کو لے کر بیٹھیں"۔ (۵۵)

مولانا مہر کو علامہ سید سلیمان ندوی کے اس مشورے کو تسلیم کرنے میں تامل تھا کہ ان کی نظر میں کسی موضوع پر کوئی تصنیف حرفِ آخر نہیں کہی جاسکتی، تحقیق اور جستجو کا کام برابر جاری رہتا ہے۔ بلکہ وہ علامہ سید سلیمان ندوی کے مشورے سے کسی قدر کبیدۂ خاطر بھی ہوئے، جس کا اظہار انھوں نے غلام حسن کاظمی (مظفر آباد، آزاد کشمیر) کے نام اپنے مکتوب میں بھی کیا۔ مولانا مہر نے سید غلام حسن شاہ کاظمی کے نام ایک خط (محررہ ۲۱/جون ۱۹۵۵ء) میں، سید سلیمان ندوی اور ان کے شاگردانِ رشید (سید ابوالحسن علی ندوی و مولانا مسعود عالم ندوی) کے ساتھ اپنی مراسلت کے ضمن میں ان تینوں شخصیات کے بارے میں اپنے تاثرات بایں الفاظ بیان کیے:

> میری قسمت عجیب ہے۔ جب میں نے کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تو دوسرے اہلِ علم کے علاوہ سید سلیمان ندوی مرحوم سے بھی پوچھا کہ جو ماخذ ان کے علم میں ہوں بتادیں۔ انھوں نے انتہائی بے تکلفی سے تحریر فرمایا کہ سید صاحب کے متعلق جو کچھ ضروری تھا وہ مولانا ابوالحسن علی لکھ چکے۔ شہادت کے بعد جماعتِ مجاہدین کے متعلق جو حالات تحریر طلب تھے وہ مولانا مسعود عالم ندوی مرتب فرما چکے۔ اب تم اس قصے میں کیوں پڑتے ہو؟ کوئی اور کام تلاش کرو۔ یہ مکتوب گرامی اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ ممکن ہے میری غلط فہمی ہو۔ لیکن مجھ پر اور میرے احباب پر اس سے یہی اثر پڑا کہ یہ بزرگ اپنے دائرے سے باہر کے کسی آدمی کی علمی مشغولیت پسند نہیں فرماتے۔ حسنِ اتفاق سے مجھے سید ابوالحسن علی اور مولانا مسعود عالم مرحوم دونوں سے مکاتبت اور ملاقات کا موقع مل گیا۔ میں نے جو کچھ مولانا ابوالحسن علی سے پوچھا انھوں نے اس بے تکلفی سے بیان فرمایا کہ میں ان کے تعلق میں اپنی سابقہ رائے پر ہمیشہ نادم رہا۔ مولانا مسعود عالم کی کتاب جب چھپی تو میں نے جان پہچان کے بغیر انہیں خط لکھ دیا اور اس میں بتایا کہ میرے سرسری اندازے کے مطابق کتاب میں انھوں نے پینتیس (۳۵) غلطیاں ایسی کی ہیں جو واقعات کی بنیادی حیثیت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ انھوں نے دوسرے ایڈیشن میں زیادہ

۵۵- دیکھیے سید سلیمان ندوی بہ نام مہر، مکتوب نمبر ا۔

تر غلطیاں درست کر لیں، بعض زیر غور رکھیں، پھر وہ برابر محبت سے ملتے رہے اور چوتھا ایڈیشن تیار کرتے وقت بھی بہت سی چیزیں مجھ سے پوچھیں تھیں۔ ان کے متعلق بھی میں اپنی رائے پر پشیمان ہوا۔ اب وہ تو خدا کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ مولانا ابوالحسن علی غیر معلوم وجوہ کی بنا پر خاموش ہو گئے۔ میں انہیں خط لکھنے میں اسی وجہ سے متامل ہوں کہ شاید وہ اسے کتاب پر ریویو کا تقاضا سمجھیں۔ (۵۶)

مولانا مہر کے خیال میں اس موضوع پر سید ابوالحسن اور ان کے رفیق مولانا مسعود عالم ندوی کی کاوشوں کے باوجود اس تحریک کے کئی پہلو ایسے تھے جو مزید بحث و تحقیق کے طالب تھے، چناں چہ انھوں نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے کمرِ ہمت کس لی اور ضروری مواد کی فراہمی کے لیے سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا مسعود عالم سے مراسلت کا آغاز کیا جو اپنے نتیجے کے اعتبار سے سید احمد شہید اور ان کی تحریک اصلاح و جہاد کی تاریخ مرتب کرنے والے ان تینوں اہل قلم کے لیے بڑی مفید ثابت ہوئی۔

مولانا مہر کی سید ابوالحسن علی ندوی سے طویل مراسلت کا آغاز ۱۹۴۴ء کے اوائل سے ہوا۔ مولانا غلام رسول مہر کو تحریک مجاہدین کے قائد و امام سید احمد شہید "کے خاندانی حالات، [ان کے مولد و منشا] رائے بریلی کے مقامات، سید صاحب کے شجرۂ نسب اور خاندانی قرابتوں سے متعلق کوئی بھی مشکل مسئلہ پیش آتا یا کسی بات کا سمجھنا ہوتا، جو خاندانی کاغذات یا خاندانی واقفیت کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی تو فوراً انھیں (سید ابوالحسن علی ندوی) خط لکھتے۔" (۵۷)

مولانا ابوالحسن علی ندوی مطلوبہ مواد و معلومات اور کتب و مخطوطہ جات بہم پہنچاتے ساتھ ہی جماعت مجاہدین کی ہجرت اور شمال مغربی سرحدی علاقوں میں ان کے احوال و وقائع سے متعلق اپنے استفسارات بھی لکھ بھیجتے۔ جواباً مولانا مہر نے انھیں شمال مغربی سرحدی علاقوں میں مجاہدین کے ٹھکانوں، مختلف قبائل کے ساتھ ان کے اتحاد و ایلاف اور منحرف قبائل سے کشمکش وغیرہ نیز سکھوں اور بعد ازاں انگریز فوجی دستوں کے ساتھ ان کی معرکہ آرائیوں سے متعلق اہم معلومات فراہم کیں۔ غرض اس باب میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا مہر دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ پورا علمی تعاون کیا تھا۔ بالفاظ سید ابوالحسن علی ندوی: "میرے پاس جو کچھ مآخذ و ذرائع

۵۶۔ حضور امام کاظمی (مرتب)، *نقوشِ مہر: مجموعۂ مکاتیب مولانا غلام رسول مہر بنام سید غلام حسن شاہ کاظمی* (لاہور: اظہار سنز، ۲۰۰۰ء)، ۸۲۔۸۴۔

۵۷۔ ندوی، *پرانے چراغ*، ۲: ۱۹۵۔

معلومات تھے جب کبھی ضرورت پیش آئی مہر صاحب کی خدمت میں پیش کرنے سے کبھی تامل نہیں کیا۔ اسی طرح مہر صاحب نے اپنی علمی تحقیقات و جستجو کے نتائج سے فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا"۔[۵۸]

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے دائرہ شاہ علم اللہ (رائے بریلی) میں اپنے خاندانی کتب خانے، اور ٹونک میں اپنے اقربا کے ہاں موجود مواد (خصوصاً قلمی نسخوں کی نقول) کے علاوہ اپنے اہل علم حباب کے ہاں سے بھی مولانا مہر کو مطلوبہ مواد و معلومات بہم پہنچانے میں بڑی مستعدی کا ثبوت دیا۔ اس امر کی توثیق ان کے مجموعۂ مکاتیب میں شامل ان کے خطوط سے بھی ہوتی ہے۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا حکیم سید حسن مثنیٰ ندوی امروہوی (م ۱۹۶۲ء) کے نام ایک خط (محررہ مئی ۱۹۴۴ء) میں لکھا:

> یہ خط خاص اس ضرورت سے بھی لکھ رہا ہوں کہ تذکرۃ الابرار چودھری غلام رسول مہر صاحب کو اس پتہ پر رجسٹری یا بیمہ کر کے جلد روانہ فرما دیجیے گا، میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ کتاب ان کے پاس بھیج دوں گا، آپ سے مجھے مل جائے گی۔ اس خط کو ملاحظہ فرماتے ہی بہت محفوظ طریقہ پر، صاف طور پر پتہ لکھ کر میرے حوالہ سے کتاب بھیج دی جائے، نہایت ممنون ہوں گا۔[۵۹]

مولانا غلام رسول مہر کو سید ابوالحسن علی ندوی سے بڑا وقیع ذخیرۂ معلومات میسر آیا، جس سے انھوں نے اپنی کتاب کی تصنیف میں بھرپور استفادہ کیا۔ اس باب میں مولانا مہر نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مہربانیوں کا کھلے دل سے اعتراف اپنی متعدد تحریروں میں کیا ہے۔[۶۰]

مولانا مہر نے سید احمد بریلوی اور جماعتِ مجاہدین کی جنگی کارروائیوں، مختلف قبائل سے ان کے اتحاد و ایلاف اور بعض قبائل کی ان سے غداری و بے وفائی سے متعلق تفصیلات کی فراہمی پر بھی خاص توجہ دی تھی۔ اس سلسلے میں معلومات کی فراہمی کا ایک بڑا اہم ذریعہ سید عبدالجبار ستھانوی (م ۱۹۵۶ء) تھے، جن کے خاندان نے اس خطے میں سید احمد بریلوی اور ان کی جماعتِ مجاہدین کی نصرت و اعانت میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔[۶۱] غلام رسول مہر

۵۸- ندوی، سیرت، دیباچہ طبع چہارم، ۱: ۱۸)۔

۵۹- محمد حمزہ حسنی (مرتب)، **مکتوبات مفکرِ اسلام سید ابوالحسن علی ندوی** (کراچی: مجلس نشریاتِ اسلام، ۲۰۰۳ء)، ۱: ۲۲۴۔

۶۰- دیکھیے: مہر، **سید احمد شہید**، ۱۳ نیز دیکھیے ۲۲۔۲۴؛ وہی مصنف، "سید احمد شہید: ایک کتاب کی سرگزشتِ ترتیب"، ماہ نو (کراچی)، ۱۷: ۱۰ (اکتوبر ۱۹۶۴ء)، ۵۷۔

۶۱- سید عبدالجبار ستھانوی کے جد امجد سید اکبر شاہ سید احمد شہید کے معتقدِ صادق اور مخلص بے ریا تھے۔ سید اکبر شاہ ابن سید شاہ گل ابن سید ضامن شاہ کا تعلق سادات ستھانہ (صوبۂ سرحد) سے تھا۔ یہ سادات کرام سید علی ترمذی غوث بونیر کے اخلاف میں سے تھے۔ سید اکبر کے جد امجد سید ضامن شاہ (ولادت نواح ۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۵ء) اپنے آبائی وطن تختہ بند سے نکل کر

کے الفاظ میں ''سرحد کے تاریخی و جغرافیائی حالات کا وہ [سید عبد الجبار ستھانوی] دائرۃ المعارف تھے۔ انھوں نے متعدد ضخیم جلدیں مرتب کر دیں جو علاقۂ سرحد اور علاقۂ آزاد کے ایک ایک رئیس، ایک ایک قبیلے، ایک ایک خطے کے متعلق ہر قسم کی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہیں''۔ (۶۲) سید احمد بریلوی کے مکاتیب میں سرحد کے جن بیسیوں

ستھانہ (بونیر کے علاقے میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع ایک مقام) میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ اوتمان زءیون نے انھیں ستھانہ کی اراضی دے دیں، انھوں نے جہاں ایک آبادی قائم کی۔ سادات ستھانہ کا خاندان دینی و دنیوی وجاہت میں اس عہد کے بلند ترین گھرانوں میں شمار ہوتا تھا اور مولانا غلام رسول مہر کے مطابق '' دینی وجاہت میں تو نہ پہلے علاقہ سرحد میں کسی کو اس کی ہم سری نصیب ہوئی اور نہ بعد میں کوئی اس کے رتبۂ عالی کو پہنچ سکا''۔ ہزارے کا بڑا حصہ ان کے خاندان کا معتقد تھا۔ سید احمد جب اس علاقے میں پہنچے تو خاندان کی سیادت سید اکبر شاہ کے ہاتھ میں تھی۔ سید اکبر شاہ کی سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید سے ۱۸۲۷ء سے مکاتبت جاری تھی۔ ۱۸۳۰ء میں سید اکبر کی دعوت پر امیر المجاہدین سید احمد تربیلے کے علاقے سے استھانہ منتقل ہو گئے۔ سرداران سادات ستھانہ مجاہدین کی وفادارانہ نصرت و حمایت میں ثابت قدم رہے۔ سید صاحب کی دعوت و تحریک کے ساتھ اس خاندان نے اخیر تک وفاداری اور والہانہ شیفتگی اور ایثار و قربانی کا ثبوت دیا۔ بالاکوٹ کے معرکے اور سید صاحب کی شہادت کے بعد پھر ستھانہ مجاہدین کی پناہ گاہ اور سارے ہندوستان میں جہاد و ہجرت کے صدر مقام تھا اور یہی سادات ستھانہ ان مجاہدین اور غریب الوطن مجاہدین کے اعوان و انصار تھے۔ اس خطے کے وہ مسلمان روسا جو سکھوں کے خلاف بر سر پیکار تھے ان کا ملجا و ماوی ستھانہ ٹھہر گیا تھا۔ سید عبد الجبار شیر خوار تھے جب ان کے خاندان کے سب افراد شہید کر دیے گئے۔ وطن سے باہر انھوں نے تعلیم و تربیت پائی۔ پھر اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت ریاست امب کے وزیر و مشیر بنے۔ چند سال تک سوات کے والی بھی رہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مولوی محمد جعفر تھانیسری، **تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی**، ۱۱۵–۱۱۶، ۱۲۶؛ **وقائع سید احمد شہید** (جمع و تدوین بحسب ارشاد نواب محمد وزیر خان بہادر، ٹونک) (لاہور: سید احمد شہید اکیڈمی، ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)، ۱: ۱۱۹۶ و بعد، ۱۲۰۴ و بعد؛ مہر، **سید احمد شہید**، ۲۴–۲۵، ۵۳۶–۵۳۹۔ مزید دیکھیے: ندوی، سیرت، ۲: ۳۶، ۱۶۴، ۱۶۶–۱۶۸، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۴۷؛ قیام الدین احمد، **ہندوستان میں وہابی تحریک**، مترجمہ: محمد مسلم عظیم آبادی (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۶ء)، ۹۱–۹۲؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: سید عبد الجبار شاہ ستھانوی، **کتاب العبرۃ: صوبہ سرحد کی چار سو سالہ تاریخ، ۱۵۰۰ تا ۱۹۰۰ء**؛ (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۱ء)، ۲۶۱–۲۷۰، ۳۰۹–۳۳۰)؛ شفیع صابر، **تذکرۂ سرفروشانِ سرحد** (پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، س۔ن)، ص ۱۰۳–۱۱۰۔ مزید دیکھیے:

Qeyamuddin Ahmad, *The Wahabi Movement in India* (New Delhi: Manohar, 1995), 191; Syed Moinul Haq, *Ideological Basis of Pakistan* (Karachi: Pakistan Historical Society, 1982), 46.

۶۲– مہر، **سید احمد شہید**، ۵۶۔

افراد و مقامات کے نام آتے ہیں ان کے متعلق پہلی مرتبہ مفصل معلومات انھیں سید عبد الجبار ہی سے حاصل ہوئیں۔ سید عبد الجبار کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں مولانا مہر نے تحقیق و تفتیش کے نئے قدم اٹھائے اور سید صاحب اور ان کی جماعت مجاہدین کی لڑائیوں کے اسباب و عوامل کی تفہیم کے قابل ہوئے۔ (۶۳)

بالآخر ۱۹۵۴ء میں سید احمد بریلوی کی سوانح اور رزم گاہِ بالاکوٹ میں ان کی شہادت (۱۸۳۱ء) تک ان کی تحریک کے احوال و وقائع پر مولانا غلام رسول کی تصیف بہ عنوان **سید احمد شہید** لاہور (کتاب منزل، کشمیری بازار) سے شائع ہو گئی۔ اس کے دو سال بعد جماعت مجاہدین کے احوال و وقائع (مشہد بالاکوٹ کے بعد سے) پر مشتمل ان کی دوسری کتاب **سرگزشتِ مجاہدین** کے عنوان سے دو جلدوں میں چھپ کر منظرِ عام پر آئی (لاہور: کتاب منزل ۱۹۵۶ء)۔

(۶)

تقدیر نے مولانا مسعود عالم ندوی کو مولانا مہر کی محنت و جستجو کے حاصلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ **سید احمد شہید** شائع ہوئی تو مولانا مسعود عالم ندوی تو سفر آخرت پر سدھار چکے تھے (۱۶/ مارچ ۱۹۵۴ء)۔ البتہ ان کے خواجہ تاش سید ابوالحسن علی ندوی اس کتاب کی تصنیف میں مولانا مہر کی کدوکاوش اور تحقیق و تفحص سے گہرے طور سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے اپنی متعدد تحریروں میں مولانا مہر کی اس گراں قدر تصنیف کی تحسین بھی کی۔ سید حسن مثنیٰ ندوی امروہوی (م ۱۹۶۲ء) کے نام ایک خط (محررہ ۳۰/ دسمبر ۱۹۵۴ء) میں لکھتے ہیں:

> آپ کو سن کر خوشی ہو گی کہ مہر صاحب کی کتاب **سید احمد شہید** تقریباً ایک ہزار صفحات پر شائع ہو کر آئی ہے۔ آج کل میں مطالعہ کر رہا ہوں، امید ہے کہ اسی ہفتہ فارغ ہو جاؤں گا۔ بڑی مفصل اور محققانہ کتاب ہے، فارغ ہوتے ہی ان شاء اللہ آپ کے پاس بھیجنے کی سعی کروں گا۔ (۶۴)

ایک دوسرے خط (محررہ ۴/ جنوری ۱۹۵۵ء) میں لکھتے ہیں: ”مہر صاحب کی کتاب بھیجنے میں ذرا دیر لگے گی، مجھے پڑھنے کے لیے وقت کم ملتا ہے اور کتاب ضخیم ہے اور میرے اور آپ کے لیے غور سے پڑھنے کی ہے، کچھ لکھنے کا بھی ارادہ ہے۔“ (۶۵)

۶۳- مہر، نفسِ مرجع، ۲۴-۲۵؛ نفسِ مرجع، ۵۶۔

۶۴- حمزہ حسنی (مرتب)، **مکتوبات**، ا: ۲۴۰-۲۴۱۔

۶۵- حمزہ حسنی، نفسِ مرجع، ا: ۲۴۰-۲۴۱۔

سید ابوالحسن علی ندوی نے غلام رسول مہر کی **سید احمد شہید** کے مطالعے کے بعد اس پر ایک مفصل تبصرہ مجلہ **الفرقان** (لکھنؤ) کے شمارہ بابت ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ میں شائع کیا، جس میں انھوں نے اس کتاب کی نمایاں خصوصیات اور اس کے محاسن و امتیازات کو اجاگر کرنے میں بڑی وسعتِ قلبی سے کام لیا اور فاضل مصنف کی محنت و دقیقہ رسی، بلند نظری، ذوقِ جستجو، دیدہ ریزی کی کھل کر داد دی۔[۶۶] ساتھ ہی اس میں چند ایسے پہلوؤں کی نشان دہی بھی کر دی جو ان کی نظر میں تشنہ رہ گئے تھے۔ سید ابوالحسن علی کی نظر میں سید احمد کی سوانح اور ان کی دعوت و تحریک سے متعلق دو نہایت اہم پہلو جو مولانا مہر کی تصنیف میں تشنہ رہ گئے تھے وہ سید صاحب کی تعلیم و تربیت اور ہدایت و تاثیر سے متعلق تھے:

(۱) اس تصنیف میں ایسے واقعات و جزئیات جن سے "سید صاحب کی آدم گری و مردم سازی اور [ان کی تربیت یافتہ] جماعت کی اخلاقی بلندی اور اخلاص وللّٰہیت کا پورا اندازہ ہوتا ہے" کسی قدر کم نیز بہت مختصر طور پر آئے تھے۔

(۲) اسی طرح اس میں سید احمد بریلوی کے اخلاق و عادات کا باب بھی تشنہ رہ گیا تھا۔ سید ابوالحسن علی کی نظر میں " اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو غیر معمولی دل و دماغ، عزم و حوصلہ، اخلاص وللّٰہیت کا مقام عطا فرمایا تھا۔ سید صاحب کے اخلاق و عادات اور ان کا مزاج و مذاق، اخلاقِ نبوت اور مزاج و مذاق نبوت سے فطری مناسبت رکھتا تھا اور ان میں شریعت کی اصطلاح و مفہوم کے مطابق ایک امام کی بہترین صفات و خصوصیات پائی جاتی تھیں؛ چناں چہ ضروری تھا کہ سید احمد کی وہ صفات اور خصوصیات بالاستقلال تحریر کی جاتیں"۔[۶۷]

بعد ازاں سید ابوالحسن علی ندوی نے غلام رسول مہر کی وفات پر اپنے ایک تاثراتی مضمون رقم کیا تو اس میں سید احمد اور ان کی تحریک کے احوال و وقائع کی تحقیق و تدوین کے باب میں ان کی غیر معمولی سعی و کاوش کا اعتراف بایں الفاظ کیا:

---[سید صاحب کے] خاندانی پہلو کے علاوہ ان کی تحقیقات ہر طرح مکمل اور معیاری تھیں، انھوں نے اس موضوع کو اپنی زندگی کا آخری موضوع بنالیا تھا، ایک ایک مقام اور ایک ایک نام کی تحقیق میں بعض اوقات ان کو سینکڑوں صفحات دیکھنے پڑے۔ صوبہ سرحد اور وہ خطہ جو سید صاحب اور ان کی جماعت کی سرگرمیوں اور نقل و حرکت کی جولانگاہ

۶۶- ندوی، "**سید احمد شہید** (از چودھری غلام رسول صاحب مہر)"، **الفرقان** (لکھنؤ)، ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ، ص ۳۸-۴۹۔

۶۷- نفس مرجع، ۵۰-۵۱۔

تھی، آزاد علاقہ اور سمہ کا میدان جہاں سید صاحب کی تحریک یا ان کے بعد کی مجاہدانہ کوششیں جاری رہیں، اس کے چپہ چپہ سے وہ واقف تھے، اس کی تاریخ و جغرافیہ کو ایک محنتی طالب علم کی طرح انھوں نے با قاعدہ پڑھا تھا، خود بھی بار بار ان علاقوں میں گئے اور ان کے نقشے تیار کیے۔[۶۸] اس باب میں ان کی بلند ہمتی، ذوقِ جستجو، دیدہ ریزی اور جگر کاوی پرانے مصنفین کی یاد تازہ کرتی ہے، جنھوں نے کسی چیز کی تحقیق کے لیے بحر و بر چھان ڈالے اور کتابوں پر اکتفا نہ کرتے ہوئے، ان مقامات پر جا کر ذاتی معلومات حاصل کیں۔ وہ کبھی رائے بریلی نہیں آئے، لیکن کتابوں کے مطالعہ سے ان کو یہ معلوم تھا کہ تکیہ جانے کے کون کون سے راستے ہیں، پرانا راستہ کون سا تھا، نیا کون سا۔ سید صاحب اپنی ہمشیرہ سے ملنے کے لیے اپنے مکان سے قلعہ کس راستے سے جاتے تھے، کون سا موضع کس سمت واقع ہے۔[۶۹]

سید ابوالحسن علی ندوی اگرچہ غلام رسول مہر کی **سید احمد شہید** کو ایک بڑی معیاری اور وقیع تصنیف خیال کرتے تھے، تاہم اسے اپنے موضوع پر حرف آخر نہیں تصور کرتے تھے؛ چناں چہ ان کے ہاں اپنی تصنیف سیرت سید احمد شہید کی نئی اشاعت کی ضرورت کا احساس باقی رہا۔ اب کی بار انھوں نے اپنی تصنیف کی نظر ثانی کی تو مولانا مہر کی تصنیف سے بھر پور استفادہ کیا، جس امر کا اعتراف انھوں نے سیرت سید احمد شہید کے دیباچہ طبع چہارم میں بایں الفاظ کیا:

"۱۹۵۴ء میں مولانا غلام رسول صاحب مہر کی کتاب شائع ہو گئی جس کا اہل ذوق کو اور سب سے بڑھ کر اس راقم سطور کو برسوں سے انتظار تھا۔ مہر صاحب پندرہ بیس برسوں سے اس موضوع پر کام کر رہے تھے۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ پورا علمی تعاون کیا تھا۔۔۔ وہ ایک کہنہ مشق اور پختہ کار مصنف و ادیب ہیں اور خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر سند اور مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی کتاب توقع کے عین مطابق تھی، بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت تک وہ سید صاحب کی سیرت و تاریخ میں سب سے بڑی محققانہ اور مؤرخانہ تصنیف ہے۔ راقم سطور کو اس کتاب سے بڑی قیمتی مدد ملی، بہت سی چیزوں کی طرف اس کتاب سے رہبری ہوئی، اس نئے ایڈیشن میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مہر صاحب کی کتاب کے شائع ہو جانے کے بعد بھی **سیرت سید احمد شہید** کی نئی اشاعت کا تقاضا اور اس کی ضرورت کا احساس باقی تھا۔ کسی موضوع پر کوئی تصنیف حرفِ آخر نہیں کہی جا سکتی۔ تحقیق اور جستجو کا کام برابر جاری رہتا ہے اور ہر تصنیف و تحقیق کے بعد اہل طلب و اہل ہمت کے کانوں میں یہ صدا آتی رہتی ہے:[۷۰]

۶۸- تفصیل کے لیے دیکھیے: شیر بہادر خان پنی: **افاداتِ مہر** (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن۔)، ۹۳-۹۴، ۱۰۵-۱۱۱، ۱۳۷-۱۴۲، ۱۸۹، ۱۸۷-۱۹۶ و دیگر مقامات؛ حمزہ فاروقی، "مولانا غلام رسول مہر کی سیرت سید احمد شہید اور سرگزشتِ مجاہدین کی داستانِ تالیف"، سہ ماہی **صحیفہ** (لاہور)، شمارہ ۲۰۱-۲۰۳ (اپریل تا دسمبر ۲۰۱۰ء)، ۳۱-۵۱۔

۶۹- ندوی، **پرانے چراغ**، ۲:۱۹۵-۱۹۶۔

۷۰- ندوی، **سیرت**، ۱۸۔

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

سید ابوالحسن علی ندوی نے نئے ایڈیشن کی تیاری کے سلسلے میں محض مولانا مہر کی کتاب سے استفادے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ہاں مزید تلاش وجستجو اور تحقیق وتفحص کا سلسلہ برابر جاری رہا؛ چناں چہ انھوں نے نئے دریافت شدہ مواد و معلومات کی روشنی میں اپنی تصنیف میں سید احمد شہید اور ان کی تحریک کے احوال و وقائع کی ترتیب نیز ان کے سنین کی تعیین میں اہم تبدیلیاں کیں۔ اپنی اس کدوکاوش سے متعلق انھوں نے سید حسن مثنٰی کے نام ایک دوسرے خط (محررہ یکم جولائی ۱۹۵۵ء) میں لکھا:

> سید احمد شہید کے متعلق آپ کے تاثرات صحیح ہیں بڑی مستند و محققانہ کتاب ہے جزاہ اللہ خیراً، البتہ کئی جگہ اب مزید تحقیق سے استدراک کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان شاء اللہ ہماری کتاب کی نئی اشاعت سے آپ کو اندازہ ہو گا۔ بعض نادر قلمی تحریریں مل گئیں جن سے سنین کے تعین اور بعض نظریات میں انقلاب ہو گیا۔ ایک عمدہ چیز نصیر آباد [رائے بریلی شہر سے تیس کلو میٹر مشرق میں واقع ایک تاریخی قصبہ ہے، جہاں سید احمد کا خاندان، رائے بریلی آنے سے قبل آباد تھا] میں ابھی ملی، سفر حج کی ڈائری [سید احمد شہید کے سفر حج کا روزنامچہ] جس میں بقید تاریخ واقعات ہیں اسی طرح بعض اور تاریخی وثائق۔[۷۱]

> سید حسن مثنٰی امروہوی کے نام ایک اور مکتوب (محررہ ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء) میں لکھتے ہیں: "سیرت [سید احمد شہید؛ مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی] کے متعلق میں نے استدراک نہیں لکھا تھا، بلکہ مہر صاحب کی کتاب [**سید احمد شہید**] کے متعلق تھا کہ مزید تحقیق سے ان کے نظریات وتعینات [احوال و وقائع کے سنین واماکن سے متعلق] میں تبدیلی ہوئی، جس کا اندازہ میری کتاب سے ہو گا۔[۷۲]

بعد ازاں سیرت سید احمد شہید کے دیباچہ طبع چہارم میں یوں رقم طراز ہوئے:

> سید صاحب کی سیرت اور ان کے حالات وواقعات کے سلسلے میں جو نیا مواد اور خاندانی تحریروں اور یادداشتوں کا جو نیا ذخیرہ حاصل ہوا اس سے خود ان معلومات وواقعات کی ترتیب اور سنین کی تعیین میں تغیر و تبدل ہوا جو خود سیرت سید احمد شہید کی پہلی اشاعتوں اور اب مہر صاحب کی کتاب [سید احمد شہید] میں اختیار کی گئی ہے۔[۷۳]

(۷)

مولانا غلام رسول مہر نے **سید احمد شہید** کی اشاعت (۱۹۵۴ء) کے بعد مشہد بالاکوٹ کے بعد جماعتِ مجاہدین کے احوال و وقائع کی تدوین و تحقیق کی طرف توجہ کی۔ جماعت مجاہدین کے احوال و وقائع پر سرگزشت

۷۱- حمزہ حسنی، مرجع سابق، ۱: ۲۴۱۔
۷۲- حمزہ حسنی، مرجع سابق، ۱: ۲۴۳۔
۷۳- ندوی، **سیرت سید احمد شہید**، ۱: ۱۸؛ وہی مصنف، **تاریخ دعوت وعزیمت**، ۶: ۳۰-۳۱۔

مجاہدین کی تکمیل و اشاعت (لاہور ۱۹۵۶ء) کے بعد سید احمد شہید پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی۔ جس کے لیے مطلوبہ مواد و معلومات کے حصول کے لیے انھوں نے ایک بار پھر سید ابوالحسن علی ندوی سے مراسلت کی اور ان کے ہاں سے اہم مآخذ کے قلمی نسخے مستعار لیے۔ انھوں نے سید ابوالحسن علی ندوی اور خصوصاً ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی (دارالشفاء ایبٹ آباد) سے حاصل کردہ قلمی مآخذ سے استفادہ کر کے اپنی تصنیف میں گراں قدر اضافے کیے۔ موٴخر الذکر نے ہزارہ پر سکھ حکم رانی کے دور سے متعلق ایک نیا قلمی ماخذ تواریخ ہزارہ بہ عہد سرکار دولتِ مدار (فارسی: مصنفہٴ مہتاب سنگھ) ڈھونڈ نکالا تھا۔ یہ سکھوں کے دور حکومت کے متعلق ضلع ہزارہ کی تاریخ ہے، جو ۱۸۴۹ء کے لگ بھگ لکھی گئی۔ ڈاکٹر شیر بہادر پنی نے اصل مخطوطہ فراہم کیا[۷۴] تو اس کی مدد سے مولانا مہر نے اپنی تصنیف میں جنگ بالاکوٹ کی سرگزشت اور سید صاحب کے مدفن اور بعد کی کیفیت سے متعلق تین ابواب کا اضافہ کیا۔ اس کے متعلق انھوں نے ۲۵ر مارچ ۱۹۶۸ء کو ابوسلمان شاہ جہاں پوری کے نام ایک خط میں لکھا: "سید احمد شہید کے سلسلے میں اس مرتبہ ایک نیا ماخذ ملا اور میں نے تین ابواب کا اضافہ کیا۔ پوری کتاب از سر نو لکھوائی، کاپیاں دیکھیں، پروف دیکھے۔ وہ ابھی پریس میں ہے"۔[۷۵]

سید احمد شہید کے تیسرے اضافہ شدہ ایڈیشن میں، جو مولانا مہر کی زندگی ہی میں شائع ہوا، مذکورہ تین ابواب (۴۷، ۴۸، ۴۹) بطورِ ضمیمہ شامل کیے گئے۔[۷۶]

نتیجہ بحث

سید احمد بریلوی کی سیرت و سوانح اور ان کی تحریک اصلاح و جہاد کے احوال و وقائع کی تدوین و تحقیق سے متعلق برعظیم پاکستان و ہند کے تین ممتاز مصنفوں کی تصانیف اسلامیان پاکستان و ہند کے سرمایۂ علم و ادب میں بیش قدر اضافہ ہیں۔ ان تینوں اہل علم کے مابین مراسلت اور باہم دگر تعاون علمی اور استفادہ کسی ایک ہی موضوع پر

۷۴۔ مہر، **سید احمد شہید**، "ضمیمہ"، سینتالیسواں باب، ۸۴۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: شیر بہادر خان پنی: **افاداتِ مہر**، ۹۲۔۹۳، ۱۰۳۔۱۱۶۔

۷۵۔ حمزہ فاروقی، "مولانا غلام رسول مہر کی سیرت سید احمد شہید اور سرگزشتِ مجاہدین کی داستانِ تصنیف"، سہ ماہی **صحیفہ** (لاہور)، شمارہ ۲۰۱۔۲۰۳ (اپریل تا دسمبر ۲۰۱۰)، ۴۶۔ بہ حوالہ ابوسلمان شاہ جہاں پوری (مرتب)، **مکتوباتِ سامی** (لاہور: جمعیت پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ۱۸۴۔

۷۶۔ مہر، **سید احمد شہید**، ۸۴۱۔۸۶۲۔

تحقیقی و تصنیفی کام انجام دینے والوں کے آپس میں افادے واستفادے کی ایک عمدہ اور روشن مثال ہے۔ اس طرز عمل کے نتیجے میں تینوں مصنفین کو اپنے اپنے تحقیقی کام کے معیار و استناد کو بہتر سے بہتر بنانے کا موقع ملا۔ اس سے اس امر کی توثیق بھی ہوتی ہے کہ کسی موضوع پر کوئی بھی تحقیقی و علمی تصنیف، خواہ وہ اس میدان میں کسی بلند پایہ اور ثقہ محقق ہی کے قلم سے کیوں نہ ہو، حرفِ آخر نہیں کہی جا سکتی۔ تحقیق اور جست جو کا کام برابر جاری رہتا ہے اور ہر تصنیف و تحقیق کے منصہ شہود پر آنے کے بعد بھی اہل طلب و اہلِ ہمت کو اس میدان میں سعی و عمل کی دعوت پیہم دیتا رہتا ہے۔

سید احمد بریلوی کی سیرت و سوانح پر سید ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف کی دو اشاعتوں کے منظر عام پر آنے نیز علامہ سید سلیمان ندوی کے مشورے کے باوجود مولانا مہر نے اس میدان میں اپنا علمی سفر جاری رکھا۔ ان کی تصنیف کی اشاعت سے نہ صرف نئے حقائق آشکار ہوئے بلکہ اس میدان میں پہلے سے مشغول محققین کے لیے بھی وہ چشم کشا ثابت ہوئی۔ مولانا مہر کی تصنیف کی اشاعت پر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی تصنیف پر چوتھی بار نظر ثانی کا بیڑا اٹھایا تو اس میں مولانا مہر کی تحقیقات سے پورا پورا استفادہ کیا۔ تاہم انھوں نے محض اسی پر اکتفا کرنے کے بجائے مزید مطالعہ اور تحقیق و تفحص کا سلسلہ جاری رکھا۔ نئے دست یاب شدہ مواد کی روشنی میں بعض واقعات سے متعلق مولانا مہر کے اخذ کردہ نتائج میں اصلاح و ترمیم ناگزیر معلوم ہوئی۔ بعض واقعات کی ترتیب و تعبیر اور ان کے سنین کی تعیین نو کرنا پڑی۔ بعد ازاں مولانا مہر نے اپنی تصنیف پر دوبار نظر ثانی کی۔

بلاشبہ سید احمد شہید اور ان کی تحریک اصلاح و تجدید سے متعلق برعظیم پاکستان و ہند کے ان تین مقتدر اہل قلم کی تصانیف ہمارے سرمایۂ علم وادب میں بیش قیمت اضافہ ہیں۔ بایں ہمہ ان کے تحقیقی کام کو بھی حرف آخر نہیں کیا جا سکتا۔ گذشتہ پچاس سالوں کے دوران میں اس میدان میں اور بہت سا تحقیقی مواد سامنے آیا ہے جس نے اس میدان میں تحقیق کے نئے زاویے کھول دیے ہیں۔ احوال و وقائع کی نئی تعبیر و توجیہ کے امکانات پیدا کر دیے ہیں؛ چناں چہ اس موضوع پر جدید تحقیقی کام کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔